انتخابِ غزلیاتِ حافظ

مع فرہنگ

مغیث الدین فریدی



انتخابِ غزلیاتِ حافظ

مع فرہنگ

مغیث الدین فریدی

تاریخ اشاعت —————— ستمبر ۱۹۷۵ء

تعداد —————— پانچ سو

مطبع —————— جمال پرنٹنگ پریس دہلی

ناشر —————— انجمن فارسی، دہلی

قیمت —————— سات روپے

ملنے کا پتا:

مکتبہ شاہراہ، اردو بازار، دہلی



بُنیاد فرہنگ ایران

ریاست افتخاری

علیا حضرت فرح پہلوی شہبانوی ایران

نیابت ریاست

والاحضرت شاہدخت اشرف پہلوی

یہ کتاب بُنیادِ فرہنگ ایران کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔



فهرست:

غزل — صفحه

پیشِ لفظ

خواجہ حافظ شیرازی کے دیوان سے ایسی چالیس غزلوں کا انتخاب کیا گیا ہے، جو حافظ کے رنگِ سخن اور طرزِ فکر کے تقریباً تمام پہلوؤں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ طالبعلموں کی مدد کے لیے ہر غزل کے لیے مشکل الفاظ تراکیب اور تلمیحات کی فرہنگ میں غزل کی بحر اور وزن کے ساتھ ساتھ ان صنعتوں کی بھی نشان دہی کی گئی ہے جو حافظ کے کلام کا زیور بھی ہیں اور جذبات کی ترسیل اور کیفیات کے ابلاغ کا موثر وسیلہ بھی۔ اس خصوصیت میں حافظ اپنے معاصرین سے بمراتب بلند ہیں۔ یہ انتخاب نسخہ قزوینی پر مبنی ہے۔

خواجہ حافظ کی زندگی کے حالات ڈاکٹر رضازادہ شفق کی کتاب تاریخ ادبیات ایران سے ماخوذ ہیں۔ علامہ شبلی نے شعرالعجم میں حافظ کی غزل پر جو جامع تبصرہ کیا ہے اُس پر اضافہ ممکن ہی نہیں ہے اس لیے علامہ شبلی کے مقالے کا خلاصہ بھی اس انتخاب میں شامل کر دیا گیا ہے جس سے طالب علموں کو حافظ شناسی میں مدد ملے گی۔

انتخاب ابھی ترتیب کی ابتدائی منزل میں تھا کہ حُسنِ اتفاق سے جناب سعیدی سیرجانی ڈپٹی ڈائرکٹر بنیاد فرہنگ ایران دہلی تشریف لائے۔ انھیں حافظ کے کلام سے غیر معمولی شغف ہے وہ شعرِ حافظ کی رعنائی اور نزاکت کے رمز شناس ہیں۔ سعیدی صاحب نے اس انتخاب کو دیکھا اور پسند کیا جس کے لیے میں اُن کا شکر گزار ہوں۔

محبّی ڈاکٹر نورالحسن انصاری صاحب نے اس کام میں جیسی مدد کی ہے اس کا تہِ دل سے ممنون ہوں

کہ آشنا سخن آشنا نگہ دارد

مغیثُ الدین فریدی

مقدمہ

سوانح

"شمس الدین محمد حافظ جنہیں لسان الغیب کا لقب دیا گیا ہے، آٹھویں صدی ہجری کے اوایل میں سنہ ۷۲۶ھ کے قریب شیراز میں پیدا ہوئے۔ تذکروں میں ان کے والد کا نام بہاء الدین لکھا ہے جو فارس کے سلغری اتابکوں کے عہد میں اصفہان سے ہجرت کر کے شیراز چلے آئے تھے۔ خواجہ حافظ کی والدہ کازرون کی رہنے والی تھیں۔

حافظ نے متداول علوم کی تحصیل اپنے وطن ہی میں کی۔ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء کی مجلس درس سے استفادہ کیا اور ان علوم میں ایک بلند مقام پر پہنچ گئے۔" (ان علماء میں ایک قوام الدین عبداللہ (متوفی سنہ ۷۷۲ھ) بھی تھے۔ محمد گلندام جو حافظ کے ہم عصر اہل فضل اور متذکرہ قوام الدین عبداللہ کے حلقۂ درس میں ہمیشہ شریک رہنے والوں میں تھے) کی شہادت موجود ہے کہ ہمارا بلند پایہ شاعر "تحشیۂ کشاف و مصباح، و مطالعہ مطالع و مفتاح، و تحصیل قوانین ادب و تحسین دواوین عرب" پر قدرت رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کشاف سے مراد تفسیر میں زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی کشاف، نحو میں مطرزی (متوفی سنہ ۶۱۰ھ) کی مصباح، حکمت میں بیضاوی (وفات اور آخر قرن

ہفتم کی طوالع الانوار من مطالع الانظار یا منطق میں قطب الدین رازی کی شرح مطالع
اور ادب میں سکاکی (متوفی ۶۲۶ھ) کی مفتاح العلوم ہے۔

" حافظ نے قرآن شریف کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اسے حفظ کر لیا تھا۔ انھوں نے
تخلص بھی اسی مناسبت سے اختیار کیا تھا۔ ان کے بعض اشعار سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔
چنانچہ کہتے ہیں:

ندیدم خوش تر از شعر تو حافظ   بقرآنی کہ تو در سینہ داری

اور عرفان کے لطیف ذوق کے ساتھ وہ حکمت کی تعلیم قرآنی آیات کے ساتھ دیتے ہیں۔
خود فرماتے ہیں:

ز حافظانِ جہان کس چو بندہ جمع نکرد   لطایفِ حکما با کتاب قرآنی

حافظ کی جوانی کے زمانے میں فارس کے سلغری اتابکوں کے دورِ حکومت کو ختم ہوئے
عرصہ ہو چکا تھا اور فارس مستقل طور پر مغلوں کے عاملوں کے تحت آگیا تھا، اس زمانے میں
چوپانیوں کے آخری فرمان روا امیر پیر حسین کے مغلوب ہونے کے بعد اینجو خاندان کا محمود شاہ
فارس کی حکومت پر فائز کیا گیا تھا۔ ۷۴۲ھ کا سال تھا کہ محمود شاہ کے بیٹے شاہ شیخ جمال الدین
ابو اسحاق اینجو نے جو بڑا لائق اور قابل تھا، پیر حسین اور ملک اشرف چوپانی کو شیراز سے نکال
دیا۔ فارس کی حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے لی اور ۷۵۴ھ تک نہایت خوبی کے ساتھ اس صوبہ
پر حکومت کرتا رہا۔ ابو اسحاق نہایت عدل پرور اور دادرس تھا۔ اس نے شیراز کو آباد اور پُر رونق
بنایا۔ وہ خود بھی پاکیزہ ادبی ذوق رکھتا تھا۔ اسی لئے وہ حافظ کی بڑی عزت کرتا تھا اور اس کے
یہاں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی امراء میں یہ پہلا امیر تھا جس نے شاعر شیراز کی نظر اپنی طرف
پھیر لی تھی۔ حافظ نے بھی کئی جگہ اس کی مدح کی ہے اور اسے "جمال چہرۂ اسلام" اور "سپہر
علم و حیا" اور ایسے ہی دوسرے القاب کے ساتھ یاد کیا ہے۔

حافظ کا زمانہ بڑے انقلاب اور خون ریزی کا زمانہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس زمانے

میں علماء و فضلاء، صوفیا و اولیاء اور شعراء و ادباء فارس میں بکثرت موجود تھے۔ اسی وجہ سے حافظ کی سخن فہمی کا دائرہ کافی وسیع تھا۔ حافظ نے ابو اسحاق کی حکومت کے زوال پر بہت سے دردناک شعر لکھے ہیں۔ شیخ ابو اسحاق کی سلطنت کا خاتمہ آل مظفر کے بانی محمد مبارز الدین کے ہاتھوں ہوا تھا۔ پھر اس کے بیٹوں نے یعنی شاہ محمود اور شاہ شجاع نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے مغلوب کر لیا اور شاہ شجاع کے حکم سے اس کی آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر دی گئی۔ حافظ نے اپنے ایک قصیدہ میں جس کا مطلع ہے:

دل منہ بر دنیی و اسباب او   زانکہ از او کس وفاداری ندید

اس کی ستم گاری کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کے مظالم کا حال یوں بیان کیا ہے:

آنکہ روشن شد جہان بینش بدو   میل در چشم جہان بینش کشید

آل مظفر میں مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع (۷۵۹ - ۷۸۶) اور اس خاندان کا آخری حکمراں شاہ منصور (۷۸۹ - ۷۹۵) خاص طور پر حافظ کے ممدوح رہے ہیں۔ جلال الدین شاہ شجاع خود بھی ادبی ذوق اور شاعرانہ مزاج رکھتا تھا۔ اسی زمانہ میں شیراز کو ظاہر پرست خشک متعصبوں کے پنجہ سے رہائی ملی۔

شاعر کے کلام کے انداز سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ نے حافظ کی خاص طور پر سرپرستی کی تھی اور اسی کے زمانے میں شاعر اور اس کے کلام کی شہرت اپنے انتہائی عروج کو پہونچ چکی تھی۔

ایران کے باہر کے جن بادشاہوں کا نام حافظ نے اپنے کلام میں لیا ہے، ان میں ایک جلایریوں یا ایل کانی سلاطین کے پانچویں حکمران سلطان احمد بن شیخ اویس بن حسن (۷۸۴ - ۸۱۳) کا نام بھی شامل ہے، یہ خاندان ۷۳۶ھ سے لے کر ۸۱۴ھ تک ایران کے مغرب میں بغداد سے لے کر آذربایجان کے علاقہ پر حکومت کرتا تھا۔ حافظ کے سوا سلمان ساوجی، عبید زاکانی اور دوسرے شاعروں نے بھی ان کی مدح کی ہے۔

مشہور ہے کہ سُلطان احمد نے خواجہ کو شیراز سے بغداد آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن شاعر نے کسی وجہ سے یہ دعوت قبول نہیں کی اور ایک غزل لکھ کر اس کے پاس بھیج دی۔

تاریخ فرشتہ کے مصنف کی روایت ہے کہ دکن کے بہمنی سلاطین کے پانچویں حکمران محمود شاہ بن حسن (۷۶۹ھ — ۷۸۰ھ) نے جو علم دوست اور ادب پرور تھا، حافظ کو اپنے ملک میں بلانا چاہا۔ محمود شاہ نے اسکی دعوت دیتے ہوئے زادِ راہ بھی روانہ کیا، حافظ دکن کے ارادے سے کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ شاعرِ شیراز نے خشکی پر جو ہنگامے اور حادثے دیکھے تھے وہ خود ہی کچھ کم نہ تھے، اب اس نے دریا کی بلا میں مبتلا ہونے سے احتراز کیا اور واپس ہو کر ساحل پر اتر گئے۔ اس مسافرت پر پشیمان ہوئے اور ایک غزل لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیج دی جس کا مطلع ہے:

دمی باغم بسر بردن جہان یکسر نمی ارزد   بمی بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد

بنگالہ کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ غیاثُ الدین بن اسکندر نے بھی خواجہ صاحب کو بنگالہ آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن غیاثُ الدین کی تخت نشینی کا سال ۷۹۲ھ لکھا ہے۔ اِس لیے یہ دعوت خواجہ صاحب کو دی گئی ہو گی تو اس کے جلوس سے پہلے کی بات ہو گی، کیونکہ اِس تاریخ تک حافظ کا انتقال ہو چکا تھا۔

سعدی کے برخلاف حافظ نے لمبے لمبے سفر نہیں کیے۔ عمر بھر میں ایک مختصر سا سفر تو انھوں نے بندر ہرمز تک اور ایک سفر یزد تک کیا تھا۔ باقی عمر وہ شیراز ہی میں مقیم رہے اور اِس شہر کی صفائی، حُسن اور زیبائی اور اس کے مقام گلگشت اور دریائے رکنا آباد کے ساحل سے ہمیشہ لُطف اندوز ہوتے رہے، چنانچہ کہتے ہیں:

نمی دہند اجازت مرا بسیر و سفر   نسیم بادِ مصلیٰ و آب رکن آباد

خواجہ حافظ نے ۷۹۱ھ میں شیراز میں وفات پائی اور شہر کے اسی حصّہ میں جس کی سیر و تفریح سے وہ اپنا دل بہلاتے تھے اور اس کی گل گشت ان کی محبوب تفریح گاہ تھی۔

اور جس کا نام مصلیٰ تھا سپرد خاک کئے گئے۔ اب اسی مقام پر بلند مرتبہ شاعر کے شایان شان مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے۔ کسی شاعر نے "خاک مصلیٰ" ہی سے شاعر کی وفات کی تاریخ نکالی ہے۔
(تلخیص از تاریخ ادبیات ایران مؤلفہ ڈاکٹر رضازادہ شفق)

شاعری

غزل کی بنیاد سعدی نے ڈالی اور امیر خسرو اور حسن نے اس کو ترقی دی، ساتویں صدی کا چمن انہی بلبلوں کے زمزموں سے گونج رہا تھا کہ سلمان ساوجی اور اور خواجو کرمانی نے نغمہ سنجی شروع کی، سعدی اور خسرو کے آگے اگرچہ ان کو فروغ نہیں ہو سکتا تھا لیکن ان لوگوں نے غزل میں کچھ جدتیں بھی پیدا کیں جو زمانے کے مذاق کے موافق تھیں۔

غرض خواجہ حافظ نے آنکھیں کھولیں تو سلمان اور خواجو کا رنگ ملک پر چھایا ہوا تھا۔ خواجہ صاحب نے دونوں کا زمانہ پایا تھا، اور اتفاق یہ کہ خواجو صاحب نے جب ۷۵۳ھ میں شیراز میں وفات پائی تو دفن اسی مقام یعنی اللہ اکبر میں ہوئے۔ جو حافظ کی خاص سیر گاہ تھی۔

خواجہ صاحب نے غزل گوئی شروع کی تو خواجو کے کلام کو سامنے رکھ کر کہنا شروع کیا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں: ع

دارد سخن حافظ طرز در روش خواجو

سعدی اور خسرو اور حسن تک غزل میں زیادہ تر عشق و عاشقی کے جذبات اور معاملات بیان کرتے تھے، خواجو نے دنیا کے بے ثباتی، وسعت مشرب اور رندی و مستی پر زور دیا، اکثر غزلیں پوری کی پوری صرف دنیا کی بے ثباتی پر ہیں۔

خواجہ صاحب نے بھی انہی مضامین پر شاعری کی بنیاد رکھی ہے۔ سعدی، خسرو اور حسن کا کلام ہمہ تن عشق، سوز و گداز، بیان شوق، ناامیدی اور حسرت ہے، خواجہ صاحب سعدی کی بھی تقلید کرتے ہیں، چنانچہ اکثر غزلیں ان کی غزلوں پر لکھی ہیں، لیکن وہ فطرتاً شگفتہ مزاج اور ولولہ خیز

طبیعت رکھتے تھے، اس لیے در و غم کے نوحے ان سے اچھی طرح ادا نہیں ہوتے۔

خواجہ صاحب کی شاعری میں متعدد ایسی باتیں جمع ہو گئی ہیں جن کا مجموعہ اعجاز بن گیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک ایک چیز کو الگ الگ لیں تو اوروں کے ہاں نکل آئے، لیکن خواجہ صاحب کا کلام ع "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا مصداق ہے۔

ان میں بعض اوصاف ایسے بھی ہیں جو اوروں کے کلام میں اس درجہ تک نہیں پائے جاتے ہیں مثلاً روانی، برجستگی اور صفائی، یہ وصف سعدی اور خسرو کا بھی مابہ الامتیاز ہے، لیکن یہ ایسی چیز ہے جس کے مدارج کی حد نہیں، ممکن ہے کہ ایک شعر خود نہایت رواں اور صاف و شستہ ہو، لیکن ایک اور شعر اس سے بھی بڑھ کر ہو۔ اور اس سے بھی بڑھ کر کوئی اور شعر ہو، جس طرح نغمہ اور حسن کہ ان کے مدارجِ ترقی کی کوئی حد نہیں۔

ایک اور چیز جو خواجہ صاحب کی شاعری کا نہایت نمایاں وصف ہے جوشِ بیان ہے، اسی طرح تنوعِ مضامین بھی ان سے پہلے اس قدر نہ تھا

فارسی شاعری باوجود ہزاروں گوناگوں اوصاف اور خیالات کے جوشِ بیان سے خالی ہے فردوسی اور نظامی کے ہاں خاص خاص موقعوں پر جوشِ بیان کا پورا زور ہے لیکن وہ اوروں کے خیالات اور واردات ہیں خود شاعر کے حالات اور جذبات نہیں۔ بخلاف اس کے خواجہ حافظ کے کلام میں جو جذبات ہیں وہ خود ان کے واردات اور حالات ہیں۔ اس لیے اُن کو وہ اس جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ ایک عالم چھا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب نے سیکڑوں گوناگوں خیالات ادا کیے ہیں اور جس خیال کو ادا کیا ہے اس جوش کے ساتھ کیا ہے کہ سننے والے پر وہی اثر طاری ہو جاتا ہے جو خود خواجہ صاحب کے دل میں ہوتا ہے۔

خواجہ صاحب پر رندی اور سرمستی کا جذبہ غالب تھا، ان کے تمام کلام میں یہ جذبہ اس جوش اور زور کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ فارسی شاعری کی ہزار سالہ زندگی میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ دنیا کی شان و شوکت، جاہ و جلال، درہم و دام، ان کو للچانا چاہتے ہیں، لیکن ان کے دل

سے یہ صدا آتی ہے کہ تا کے ؟ یہ نیرنگیاں کب تک ؟ اس جھوٹے طلسم کے لیے زندگی کو کیوں آلودہ کیا جائے :

یہ فلسفہ خواجہ صاحب پر اس قدر چھا گیا تھا کہ بوریئے نقر انکو مسند جمشید نظر آتا تھا، وہ خود اس خیال میں مست تھے اور چاہتے تھے کہ اور لوگ بھی اس عالم کا لطف اٹھائیں۔ وہ مناظر قدرت سے، بہار سے، آبِ رواں سے، سبزہ و مرغزار سے لُطف اٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ خوش عیشی کا یہ عالم ہر شخص کو نصیب ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر وہ تمام دنیا کو خوش عیشی کے فلسفہ کی تعلیم دیتے ہیں

خواجہ صاحب شاعر تھے اور فطری شاعر تھے، اس لیے انھوں نے خوش عیشی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ زمین سے آسمان تک جوشِ مسرت سے لبریز نظر آتا ہے اور یہی شاعری کا اعلیٰ کمال ہے

اکثر مضامین ایسے ہیں جو مدتوں سے بندھتے آتے تھے جن میں کوئی دلفریبی نہ تھی۔ خواجہ صاحب کے حسن اسلوب اور جدتِ ادا نے اس کو نہایت دلآویز اور لطیف کر دیا۔

معشوق کی زُلف کو بنفشہ پر ترجیح دینا معمولی بات ہے خواجہ صاحب اس کو اس طرح ادا کرتے ہیں

بنفشہ طرۂ مفتولِ خود گرہ میزد صبا حکایت زلف تو در میان انداخت

خواجہ صاحب نے جن مضامین کو زیادہ تر باندھا ہے وہ شراب کی تعریف رندی و سرمستی کی ترغیب دنیا کی بے ثباتی، واعظوں اور زاہدوں کی پردہ دری ہے، ان میں سے ہر مضمون کے ادا کرنے کا جو پیرایہ اختیار کیا ہے، اس سے بہتر خیال میں نہیں آسکتا اور یہی وجہ ہے کہ انہی مضامین پر اور اساتذہ کے سیکڑوں ہزاروں اشعار موجود ہیں لیکن عام محفلوں میں خواجہ صاحب ہی کے ترانے زبانوں پر ہیں۔ ان کی اصلی شاعری عشق و عاشقی اور رندی و سرمستی ہے، رندانہ مضامین وہ آزادی اور رنگینی اور جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

خواجہ صاحب کے عشقیہ جذباتِ غم اور درد سے کم تعلق رکھتے ہیں وہ فطرتاً شگفتہ مزاج اور رنگین طبع تھے، اِس لیے عشق و عاشقی سے ان کو وہیں تک تعلق ہے، جہاں تک لطفِ طبع اور شگفتگی خاطر کے کام آئے، وہ ناامیدی، حسرت، یاس وغیرہ پر کچھ لکھتے ہیں تو محض تقلید ہوتی ہے

زہ غمگین منہ بنانا بھی چاہتے ہیں تو چہرہ سے شگفتگی نہیں جاتی، اس بنا پر وہ شوق، ناز و نیاز، بوس و کنار، بزم آرائی و مجلس افروزی کے جذبات اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں، وہ اس قسم کا عشق نہیں کرتے کہ کسی کے پیچھے زندگی برباد کر دیں۔ گلیوں میں پڑے پھریں، ان کا عشق بھی لطف نظر ہے اچھی صورت سامنے نظر آئی دیکھ لی، دل تازہ ہو گیا۔ پاس بیٹھ گئے۔ ہمزبانی کا لطف اٹھایا، زیادہ پھیلے تو سینہ سے لگالیا، گلے میں باہیں ڈال دیں، اس حالت میں بھی کوئی برا خیال نہیں، پاکبازی اور پاک نظری کی روک قائم ہے۔

باایں ہمہ عشق و محبت میں جو جو واردات گذرتی ہیں ایک ایک سے باخبر ہیں اور ان سب جذبات کو اسی سچائی اسی واقعیت اسی جوش کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں جس طرح دل میں آتے ہیں اور یہی اصلی شاعری ہے، وہ کوئی بات نہیں کہتے جب تک کوئی جذبہ دل میں نہیں پیدا ہوتا۔

جو شاعر فلسفۂ اخلاق کی تعلیم دینا چاہتا ہے، اس کے لیے فطرت کا نکتہ شناس ہونا سب سے پہلی شرط ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ لطیف اور دل آویز طریقوں سے یہ عیوب ظاہر کیے جائیں تاکہ لوگوں کو گراں نہ گذریں بلکہ خود ان کو ان کے سننے میں لطف آئے۔ مخفی اور دقیق عیوب جسقدر علما، واعظین اور زہاد میں پائے جاتے ہیں کسی فرقہ میں نہیں پائے جاتے، چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، لیکن چونکہ یہ فرقہ ہمیشہ با اقتدار رہا ہے، اس لیے ان کے عیوب کا ظاہر کرنا آسان بات نہیں، امام غزالی نے اس کا جو نتیجہ اٹھایا، یہ تھا کہ ان کی جان تک معرض خطر میں آگئی، اس لیے کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ شعرا میں سب سے پہلے خیام نے یہ جرأت کی، اسکے بعد شیخ سعدی نے دبی زبان سے کچھ کچھ کہا۔ لیکن جس دلیری، آزادی اور بے باکی سے خواجہ صاحب نے اس فرض کو ادا کیا آج تک کسی سے نہ ہو سکا۔

خواجہ صاحب نے اس بات کو جا بجا نہایت بلیغ اور لطیف پیرایوں میں لکھا ہے کہ مولویوں اور واعظوں کی نیکیاں بھی چونکہ ذاتی غرض پر مبنی ہوتی ہیں، اس لیے درگاہ الٰہی میں مقبول ہونے کے قابل نہیں

خواجہ صاحب کی فصاحت کلام کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان کے ہاں کلام میں روزمرہ اور

محاورے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں جو الفاظ اور ترکیبیں رات دن استعمال میں آتے رہتے ہیں اور جن سے روزمرہ پیدا ہوتا ہے عموماً وہی ہوتے ہیں جو فصیح اور بلیغ، سلیس اور نرم ہوں اور اگر ان میں کسی قدر کمی ہوتی ہے تو وہ روزمرہ کے استعمال سے نکل جاتی ہے، کیونکہ رات دن سنتے سنتے وہ الفاظ کانوں کو مانوس ہو جاتے ہیں، محاورات کا بھی یہی حال ہے، محاورہ اس وقت بنتا ہے جب ایک گروہ کا گروہ کسی جملہ کا کسی خاص معنی میں استعمال کرتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ یہ جملہ خود فصیح، سلیس اور رواں ہو۔

فارسی زبان میں مفرد الفاظ بہ نسبت اور زبانوں کے نہایت کم ہیں۔ اس کمی کی تلافی زبان نے محاورات اور مصطلحات سے کی، شاعری کے لیے زبان پر قدرت تام حاصل ہونا سب سے ضروری شرط ہے۔ خواجہ صاحب کی سب سے بڑی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے جس قدر محاورات اور مصطلحات برتے فارسی شعرا میں سے غالباً کسی نے نہیں برتے اور یہ ان کی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل ہے۔

خواجہ صاحب کے کلام میں ایک خاص قسم کی خوش گواری پائی جاتی ہے، شاعری میں موسیقی بھی شامل ہے، اس لیے جو شعر موسیقی اور خوش نوائی سے الگ ہوگا شاعری کے رتبہ سے گھٹا ہوگا، خواجہ صاحب کے کلام میں یہ وصف مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے، اکثر وہ غزلوں کی بحریں ایسی رکھتے ہیں جو موسیقی سے مناسبت رکھتی ہیں، شعروں کے ارکان اور ان کے ٹکڑے ایسے لاتے ہیں جو تال اور سم کا کام دیتے ہیں، اس غرض کے لیے اکثر ہموزن الفاظ کا پے در پے آنا مدد دیتا ہے اور گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بار بار تان آکر ٹوٹتی ہے۔

(تلخیص از شعر العجم جلد دوم تالیف علامہ شبلی نعمانی)

غزلیں

(۱)

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را
بخال ہندویش بخشم سمرقند و بخارا را

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

فغان کاین لولیان شوخ شیرین کار شہر آشوب
چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغما را

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روی زیبا را

من از آن حسن روز افزون کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردہ عصمت برون آرد زلیخا را

اگر دشنام فرمائی و گر نفرین دعا گویم
جواب تلخ میزیبد لب لعل شکر خا را

نصیحت گوش کن جانا کہ از جان دوست تر دارند
جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

حدیث از مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نگشود و نگشاید بحکمت این معما را

غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخوان حافظ
کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

(۱)

بحر ہزج ۔ سالم مثمن

مفاعیلن ، مفاعیلن ، مفاعیلن ، مفاعیلن

ترک شیرازی ــــ ترک کنایہ ہے معشوق سے ، مراد وہ معشوق جو شیراز کا رہنے والا ہے۔

بدست آرد ــــ دِل ہاتھ میں لے لے ، اپنا بنا لے۔

خال ہندو ــــ سیاہ تل۔

سمرقند ــــ ترکستان کا مشہور شہر ، تیمور کا دار الخلافہ۔

بخارا ــــ ترکستان کا مشہور شہر جو اپنے علما اور فضلا کے لئے مشہور ہوا۔

رکنا باد ـــ شیراز کی نہر۔
گلگشت مصلیٰ ـــ شیراز کی مشہور تفریح گاہ جو بعد میں خواجہ حافظ کی آخری آرام گاہ بنی۔
لولیانِ شوخ ـــ شوخ، حسین رقاصائیں۔
شیریں کار ـــ اپنے کام کو اچھی طرح انجام دینے والی۔ یہاں لولیان شوخ کی صفت کے طور پر یہ ترکیب نظم ہوئی ہے
شہر آشوب ـــ سارے شہر میں ہنگامہ برپا کرنے والے۔ یہ بھی لولیانِ شوخ کی صفت ہے۔
خوانِ یغما ـــ ترکستان میں ایک رسم تھی کہ سال میں ایک دن مقرر کر کے طرح طرح کے کھانے تیار کئے جاتے تھے اور ان کو خوان میں سجا کر ایک بڑے میدان میں رکھ دیا جاتا تھا۔ پھر سب لوگ ان کھانوں پر یکایک ٹوٹ پڑتے تھے اور لوٹ لے جاتے تھے۔
زلیخا ـــ عزیز مصر کی بیوی جو حضرت یوسف پر عاشق ہو گئی تھیں۔
لب لعل شکر خا ـــ سرخ اور شیریں ہونٹ۔ محبوب کے ہونٹ کی دونوں صفتیں ایک ہی ترکیب میں جمع کر دی گئی ہیں۔
دُر سفتی ـــ تو نے موتی پروئے۔ مراد یہ ہے کہ نازک خیالات کو برمحل الفاظ کے ساتھ نظم کیا ہے۔
عقد ثریا ـــ آسمان پر چھ ستارے بہت بلند اور اتنے متصل ہیں جیسے ایک لڑی میں پروئے گئے ہوں۔

اِس غزل کے پانچویں شعر میں تلمیح ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی حسن پر فریفتہ ہو کر زلیخا نے اپنی آبرو کی بازی لگا دی۔ حافظ نے اس شعر میں اس واقعہ مشہور کو بطور تمثیل کے بیان کیا ہے حافظ کا اصل مدعا تو فطرتِ انسانی کے رمز کو بیان کرنا ہے کہ حسن ہر دور میں اپنے عاشقوں سے ننگ و نام کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے، اگر زلیخا نے اپنے ننگ و ناموس کو قربان کیا تو اس کا یہ فعل تقاضائے فطرتِ انسانی تھا اس پر حیرت کیوں ہے۔

اِس غزل کے چھٹے شعر میں صنعت تضاد ہے (تلخ، شکر خا)
آٹھویں شعر میں صنعت اشتقاق ہے (نگشود و نگشاید)
نویں شعر میں مراعات النظیر ہے (غزل گفتی، دُر سفتی، نظم تو، عقد ثریا)

اِس غزل، مقطع میں خواجہ حافظ اپنی غزل کے اشعار کو موتیوں کے ہار سے تشبیہ دیتے ہیں اور دوسرے مصرع میں اس تشبیہ کے حسن کو یہ کہہ کر دوبالا کر دیتے ہیں کہ تیری نظم پر آسمان، عقد ثریا کو نچھاور کرتا ہے۔

۲

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدا را | دردا که راز پنهان خواهد شد آشکارا

کشتی شکستگانیم ای باد شرطه برخیز | باشد که باز بینیم دیدار آشنا را

ده روزه مهر گردون افسانه است و افسون | نیکی بجای یاران فرصت شمار یارا

در حلقهٔ گل و مل خوش خواند دوش بلبل | هات الصبوح هبّوا یا ایها السکارا

ای صاحب کرامت شکرانهٔ سلامت | روزی تفقدی کن درویش بینوا را

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرفست | با دوستان مروّت با دشمنان مدارا

در کوی نیکنامی ما را گذر ندادند | گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

هنگام تنگدستی در عیش کوش و مستی | کاین کیمیای هستی قارون کند گدا را

سرکش مشو که چون شمع از غیرتت بسوزد | دلبر که در کف او موم است سنگ خارا

آئینهٔ سکندر جام میست بنگر | تا بر تو عرضه دارد احوال ملک دارا

خوبان پارسی گو بخشندگان عمرند | ساقی بده بشارت رندان پارسا را

حافظ بخود نپوشید این خرقهٔ می آلود
ای شیخ پاک دامن معذور دار ما را

(٢) بحرِ مضارع مثمن اخرب

مفعول فاعلاتن، مفعول فاعلاتن

دل می رود زدستم ۔ مجھے اپنے دل پر قابو نہیں ہے۔
دردا ـــــ افسوس ۔
بادِ شرطہ ـــــ موافق ہوا ۔ بادِ مراد۔
باشد ـــــ شاید ایسا ہو۔
صاحب کرامت ـــ بزرگ ۔
سلامت ـــــ بے عیب ہونا۔ رہائی پانا۔ سلامتی کے معنوں میں بھی سلامت استعمال ہوتا ہے۔
تفقد ـــــ مجازاً بمعنی مہربانی، دلجوئی، غمخواری۔
مروت ـــــ بہادری، فیاضی، ہمدردی، مہربانی۔
مدارا ـــــ تواضع، التفات۔
قضا ـــــ حکمِ الٰہی ۔
قارون ـــــ مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے عہد میں ایک بہت مالدار شخص تھا جس نے خدا کی نافرمانی کی۔ اس نافرمانی کی سزا میں اس کو مع اُس کے خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔
آئینۂ سکندر ـــ صاحب غیاث نے لکھا ہے کہ سکندر نے شہر اسکندریہ فتح کرنے کے بعد دریا کے کنارے ایک منارہ بنوایا اس پر ایک آئینہ نصب کر کے کچھ پاسبان مقرر کئے تھے جو اُس آئینے میں دشمن کی نقل و حرکت دیکھ لیتے تھے اور اپنے لشکر کو آگاہ کر دیا کرتے تھے۔
عرضہ دارد ـــــ ظاہر کرے۔
ملک دارا ـــــ دارا کا ملک۔ یعنی ایران۔ دارا ایران کا مشہور بادشاہ جس کو سکندر نے شکست دی۔
اِس شعر میں خواجہ حافظ نے جام شراب کو آئینۂ سکندر سے تشبیہہ دی ہے کہ جس طرح سکندر آئینے میں دارا کے ملک کا حال دیکھ لیتا تھا اُسی طرح جام شراب سے دُنیا کا حال تیرے اُوپر روشن ہو سکتا ہے۔

اس غزل کے پہلے شعر میں صنعت تضاد ہے۔ (پنہاں، آشکارا)
تیسرے شعر میں صنعت شبہ اشتقاق ہے۔ (افسانہ و افسون)
پانچویں شعر میں صنعت تضاد ہے۔ (دوستان، دشمنان)
آٹھویں شعر میں صنعت تضاد ہے۔ (موم، سنگِ خارا)

(۴)

ساقیا برخیز و در ده جام را — خاک بر سر کن غم ایام را

ساغر می بر کفم نه تا ز بر — برکشم این دلق ازرق فام را

گرچه بدنامیست نزد عاقلان — ما نمیخواهیم ننگ و نام را

باده در ده چند ازین باد غرور — خاک بر سر نفس نافرجام را

دود آه سینهٔ نالان من — سوخت این افسردگان خام را

محرم راز دل شیدای خود — کس نمی بینم ز خاص و عام را

با دلارامی مرا خاطر خوشست — کز دلم یکباره برد آرام را

ننگرد دیگر بسرو اندر چمن — هر که دید آن سرو سیم اندام را

صبر کن حافظ بسختی روز و شب

عاقبت روزی بیابی کام را

(۴) بحرِ رمل مسدس مقصور / محذوف

فاعلاتن فاعلاتن فاعلات / فاعلن

خاک بر سر کن — سر پر خاک ڈال دے۔ یعنی بھول جا۔
بر کشم —— اُتار دوں۔
دلقِ ازرق فام — نیلے رنگ کی گدڑی۔ (مفہوم یہ ہے کہ اے ساقی شراب کا پیالہ دے تاکہ میں اس کر کے لباس کو اُتار کر پھینک دوں)
ننگ و نام —— عزّت اور شہرت۔ پہلے مصرع میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ عاقلوں کے نزدیک بدنامی کس وجہ سے ہے۔ اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں شراب پینا عاقلوں کے نزدیک بدنامی ہے یا محبت کرنا عاقلوں کے نزدیک بدنامی ہے۔ دونوں صورتوں میں شاعر ننگ و نام سے بے پروا ہو کر اپنے عمل پر فخر کرتا ہے۔ خواہ وہ شراب نوشی ہو یا محبت۔
نافرجام —— نامبارک۔ بد انجام۔ نفس کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔
مراد یہ ہے کہ شراب نفس کے غرور کو ختم کرنے کے لئے پی رہا ہوں۔
اُردو میں مرزا غالب نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو — اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

افسردگانِ خام —— وہ ہوس پیشہ جو بجھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ کنایہ زاہدانِ ظاہر پرست کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔
سروِ سیم اندام —— مراد محبوب جس کا قد سرو کی طرح ہے اور بدن چاندی جیسا ہے۔
بیابی کام را —— اپنے مقصد کو حاصل کرلے گا۔ اپنی مُراد کو پالے گا۔

۴

دوش از مسجد سوی میخانه آمد پیر ما — چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما

ما مریدان روی سوی قبله چون آریم چون — روی سوی خانهٔ خمار دارد پیر ما

در خرابات طریقت ما بهم منزل شویم — کاین چنین رفتست در عهد ازل تقدیر ما

عقل اگر داند که دل در بند زلفش چون خوشست — عاقلان دیوانه گردند از پی زنجیر ما

روی خوبت آیتی از لطف بر ما کشف کرد — زان زمان جز لطف و خوبی نیست در تفسیر ما

با دل سنگینت آیا هیچ درگیرد شبی — آه آتشناک و سوز سینهٔ شبگیر ما

تیر آه ما ز گردون بگذرد حافظ خموش
رحم کن بر جان خود پرهیز کن از تیر ما

(۴)

بحرِ رمل مثمن مقصور / محذوف

فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلات / فاعلن

تدبیر ——— کسی کام کا انجام سوچنا۔
خانۂ خمار ——— شراب خانہ۔
خراباتِ طریقت ——— ایسا میخانہ جہاں باطن کو صاف کرنے والی شراب پلائی جائے۔
آیت ——— نشانی۔
کشف کرد ——— ظاہر کی۔

اِس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ تیرے چہرے تیرے التفات کی نشانی ہم کو ملی ہے۔ اس وجہ سے ہماری باتوں (شعروں) میں صرف لطف و خوبی کا بیان ملے گا اس کے سوا ہم کچھ اور نہیں کر سکتے۔

آیا بود در گیرد ——— درگرفتن کے معنی موافق ہونا اور اثر کرنا ہے۔ اس شعر میں خواجہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ اے سخت دِل محبوب کیا ہماری آہِ آتشبار اور نالۂ شبگیر کا تیرے دل پر کسی رات کچھ اثر ہوتا ہے۔

اِس غزل کے پہلے شعر میں مراعات النظیر ہے (مسجد، پیر، یارانِ طریقت)
اور صنعت تضاد ہے (مسجد، میخانہ)
دوسرے شعر میں صنعت تضاد ہے (قبلہ، خانۂ خمار)
پانچویں شعر میں مراعات النظیر ہے (آیت، کشف، تفسیر)

۵

ساقی بنور باده برافروز جام ما — مطرب بگو که کار جهان شد بکام ما

ما در پیاله عکس رُخ یار دیده ایم — ای بیخبر ز لذّت شرب مدام ما

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق — ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

چندان بود کرشمه و ناز سهی قدان — کاید بجلوه سرو صنوبر خرام ما

ای باد اگر بگلشن احباب بگذری — زنهار عرضه ده بر جانان پیام ما

گو نام ما زیاد بعمدا چه میبری — خود آید آنکه یاد نیاری ز نام ما

مستی بچشم شاهد دلبند ما خوشست — زان رو سپرده اند بمستی زمام ما

ترسم که صرفهٔ نبرد روز بازخواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

حافظ ز دیده دانهٔ اشکی همی فشان — باشد که مرغ وصل کند قصد دام ما

دریای اخضر فلک و کشتی هلال
هستند غرق نعمت حاجی قوام ما

(۵)

بحرِ مضارع مثمن اخرب مکفوف مقصور/محذوف

مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات / فاعلن

نورِ بادہ ـــــ شراب کا نور۔
کارِ جہان شد بکامِ ما۔ دنیا کا ہر کام ہمارے حسبِ مراد ہو گیا۔
شربِ مدام ـــــ ہمیشہ مست رہنا۔ وہ نشہ جو کبھی نہ اترے۔
جریدۂ عالم ـــــ دنیا کا دفتر۔ اضافت تشبیہی ہے۔
سہی قداں ـــــ کنایہ ہے ان حسینوں سے جنہیں اپنے قامت کی رعنائی پر ناز ہو۔
سرو صنوبر خرام ـــــ سرو استعارہ ہے محبوب کے لئے اور اس کی رفتار کو چلتے ہوئے صنوبر سے تشبیہ دی ہے
زنہار عرضہ دہ ـــــ ضرور پیش کر، تقدیم کر۔
بر جاناں ـــــ محبوب کی خدمت میں۔
زانرو ـــــ اس وجہ سے۔ اس بنا پر۔
زمام ـــــ لگام۔ زمام سپردن۔ لگام کسی کے اختیار میں دے دینا۔ یعنی ہماری لگام کے ہاتھ میں ہے۔
صرفہ بردن ـــــ فائدہ ہونا۔ مفید ہونا۔ بازی لے جانا۔
روزِ باز خواست ـــــ باز پرس کا دن، سوال و جواب کا دن۔ روزِ قیامت۔
نانِ حلالِ شیخ ـــــ شیخ کی حلال روٹی۔ اشارہ ہے ظاہر پرست عابدوں کی ریاکارانہ عبادت کی طرف
آبِ حرام ـــــ کنایہ ہے شراب سے (مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی عبادت ہمارے گناہ کے مقابلہ میں کچھ زیادہ نفع بخش ثابت نہیں ہو گی۔
دریائے اخضرِ فلک و کشتیِ ہلال ـــــ آسمان کو دریائے سبز سے اور ہلال کو کشتی سے تشبیہ دی ہے۔
حاجی قوام ـــــ خواجہ حافظ کے ممدوح وزیر کا نام۔
اِس غزل کے آٹھویں شعر میں صنعت تضاد ہے۔ (نان حلال، آب حرام)
نویں شعر میں مراعات النظیر ہے۔ (دانہ، مرغ، دام)

۶

ای نسیم سحر آراگه یار کجاست | منزل آن مه عاشق کش عیار کجاست

شب تار است و ره وادی ایمن در پیش | آتش طور کجا موعد دیدار کجاست

هر که آمد بجهان نقش خرابی دارد | در خرابات بگوئید که هشیار کجاست

آنکس است اهل بشارت که اشارت داند | نکته‌ها هست بسی محرم اسرار کجاست

هر سر موی مرا با تو هزاران کارست | ما کجائیم و ملامت‌گر بیکار کجاست

باز پرسید ز گیسوی شکن در شکنش | کاین دل غمزده سرگشته گرفتار کجاست

عقل دیوانه شد آن سلسله مشکین کو | دل ز ما گوشه گرفت ابروی دلدار کجاست

ساقی و مطرب و می جمله مهیاست ولی | عیش بی یار مهیا نشود یار کجاست

حافظ از باد خزان در چمن دهر مرنج
فکر معقول بفرما گل بی خار کجاست

(۶)

بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور/محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات / فعلن

مہ عاشق کشِ عیار۔ مہ استعارہ ہے محبوب کے لئے۔ اس ترکیب میں محبوب کی دو صفات (عاشق کو مارنا اور مکاری) کو شامل کیا گیا ہے۔

وادیِ ایمن ـــــ کوہِ طور کے داہنی جانب جو صحرا تھا اُسے وادی ایمن کہا گیا ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ کو ایک درخت پر تجلی خداوندی نظر آئی تھی۔

آتشِ طور ـــــ تجلی الٰہی جو کوہِ طور پر حضرت موسیٰ کو نظر آئی تھی۔

موعدِ دیدار ـــــ وہ جگہ جہاں دیدار دکھانے کا وعدہ کیا گیا۔

اشارت داند ـــــ جو اشارے کو سمجھتا ہے۔

ملامت گر بیکار ـــــ فضول نصیحت کرنے والا۔

سرگشتہ ـــــ حیران۔ بھٹکا ہوا۔

سلسلۂ مشکین ـــ کنایہ ہے محبوب کی زلف سے۔

دل زما گوشہ گرفت۔ ہمارا دل ہمارے قابو میں نہیں ہے۔

فکرِ معقول بفرما ـــ عقل سے کام لے۔

اِس غزل کے دوسرے شعر میں تلمیح ہے اور مراعات النظیر ہے۔

(وادی ایمن، آتشِ طور۔ موعدِ دیدار)

چوتھے شعر میں تجنیس ناقص اور شبہ اشتقاق ہے (بشارت۔ اشارت)

۷

بیا که قصر امل سخت سست بنیادست — بیار باده که بنیاد عمر بر بادست

غلام همت آنم که زیر چرخ کبود — ز هر چه رنگ تعلق پذیرد آزادست

چگویمت که بمیخانه دوش مست و خراب — سروش عالم غیبم چه مژدها دادست

که ای بلند نظر شاهباز سدره نشین — نشیمن تو نه این کنج محنت آبادست

ترا ز کنگرهٔ عرش میزنند صفیر — ندانمت که در این دامگه چه افتادست

نصیحتی کنمت یاد گیر و در عمل آر — که این حدیث ز پیر طریقتم یادست

غم جهان مخور و پند من مبر از یاد — که این لطیفهٔ عشقم ز رهروی یادست

رضا بداده بده وز جبین گره بگشای — که بر من و تو در اختیار نگشادست

مجو درستی عهد از جهان سست نهاد — که این عجوز عروس هزار دامادست

نشان عهد و وفا نیست در تبسم گل — بنال بلبل بیدل که جای فریادست

حسد چه میبری ای سست نظم بر حافظ
قبول خاطر و لطف سخن خدادادست

۷ بحر مجتث مثمن مخبون مقصور / محذوف

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات / فعلن

قصرِ امل ——— اُمید کا محل۔
سخت سست بنیاد — ناپائدار۔
بنیادِ عمر بر باد است — عمر کی بنیاد ہوا پر ہے۔ یعنی ناپائدار ہے اس ترکیب میں لُطف یہ ہے کہ فی الواقع حیاتِ انسانی کا مدار انفاس پر ہے۔
سروشِ عالمِ غیب — عالمِ غیب سے آنے والا فرشتہ۔
محنت آباد ——— رنج کی جگہ مراد دُنیا۔
می زنند صفیر ——— صفیر پرندوں کی آواز، مراد یہ ہے کہ تیرے ہم صفیر عرش پر ہیں اور وہ تجھے بُلا رہے ہیں
دامگہ ——— وہ جگہ جہاں جال بچھے ہوں۔ مُراد دُنیا۔
رضا بدادہ بدہ ——— جو مل گیا اُس پر راضی رہ۔
وز جبین گرہ بگشای — اور اپنی پیشانی سے شکن دُور کر دے۔ مُراد بے فکری کے ساتھ زندگی بسر کر۔
در اختیار نگشاد است — اختیار کا دروازہ کھُلا ہوا نہیں ہے۔ یعنی انسان قدرت کے آگے بے بس ہے۔
دُرستیٔ عہد ——— عہد پر قایم رہنا۔
جہانِ سست نہاد — ناپائدار دنیا۔
عجوز ——— بڑھیا۔
عروس ہزار داماد — ہزاروں شوہروں کی دُلہن۔ مُراد ہرجائی۔ بے وفا۔
سست نظم ——— جس کے شعر میں روانی اور لطافت نہ ہو۔
قبولِ خاطر ——— مقبول ہونا۔
لُطفِ سخن ——— شعر کا لُطف۔
خداداد است ——— اللہ کی طرف سے ہے۔

اِس غزل کے پہلے شعر میں صنعت مراعات النظیر ہے (قصرِ امل، سست بنیاد، بنیادِ عمر، برباد)
دوسرے شعر میں صنعت تضاد ہے (غلام۔ آزاد)
نویں شعر میں مراعات النظیر ہے (درستیٔ عہد، جہانِ سست نہاد، عجوز، عروس ہزار داماد)
دسویں شعر میں صنعت تضاد ہے (تبسم، فریاد)
گیارہویں شعر میں مراعات النظیر ہے (سست نظم، قبولِ خاطر، لطفِ سخن)

۸

درین زمانه رفیقی که خالی از خللست — صراحی می ناب و سفینهٔ غزلست

جریده رو که گذرگاه عافیت تنگست — پیاله گیر که عمر عزیز بی بدلست

نه من ز بی عملی در جهان ملولم و بس — ملالت علما هم ز علم بی عملست

بچشم عقل درین رهگذار پر آشوب — جهان و کار جهان بی ثبات و بی محلست

بگیر طرهٔ مه چهرهٔ و قصه مخوان — که سعد و نحس ز تاثیر زهره و زحلست

دلم امید فراوان بوصل روی تو داشت — ولی اجل بره عمر رهزن املست

بهیچ دور نخواهند یافت هشیارش
چنین که حافظ ما مست بادهٔ ازلست

۸ بحرِ مجتث مثمن مخبون محذوف/مقصور

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن/فعلات

خالی از خلل — جہاں فتنہ اور فتور نہ ہو۔
سفینۂ غزل — غزل کی بیاض۔
جریدہ رَو — تنہا چلا جا۔
گذرگاہِ عافیت — امن و سکون کا راستہ۔
ملالت — اُداسی، رنجیدہ ہونا۔
رہگذارِ پُرآشوب — وہ راستہ جہاں ہر قدم پر فتنہ برپا ہو۔
طُرّہ — زلف، پیشانی کے بال۔
مہ چہرہ — محبوب، جس کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہے۔
زہرہ — نام ایک ستارے کا جسے فارسی میں کنایۃً رقاصۂ فلک اور لولی فلک بھی کہا گیا ہے۔ اُس رقاصہ کا بھی نام ہے جس پر ہاروت اور ماروت دو فرشتے عاشق ہوئے تھے۔
زحل — سب سے بلند ستارہ ہے جسے انتہائی منحوس مانا گیا ہے۔
رہزنِ امل — اس مصرع میں موت کو رہزن امل کہا ہے۔ یعنی موت امید کو ختم کر دیتی ہے۔

اس غزل کے تیسرے شعر میں اشتقاق ہے (علما، علم)
پانچویں شعر میں صنعت تضاد ہے (اسعد و نحس)
ساتویں شعر میں صنعت تضاد ہے (ہشیار، مست)

۹

منم که گوشهٔ میخانه خانقاه نیست — دعای پیر مغان ورد صبحگاه منست

گرم ترانهٔ چنگ صبوح نیست چه باک — نوای من بسحر آه عذرخواه منست

ز پادشاه و گدا فارغم بحمدالله — گدای خاک در دوست پادشاه منست

غرض ز مسجد و میخانه ام وصال شماست — جز این خیال ندارم خدا گواه منست

مگر به تیغ اجل خیمه برکنم ورنی — رمیدن از در دولت نه رسم و راه منست

از آن زمان که برین آستان نهادم روی — فراز مسند خورشید تکیه گاه منست

گناه اگرچه نبود اختیار ما حافظ
تو در طریق ادب باش گو گناه منست

(۹) بحرِ مجتث مثمن مخبون مقصور / محذوف

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات / فعلن

وردِ صبحگاہ ——— صبح کے وقت کا وظیفہ۔
ترانۂ چنگ صبوح — صبح کے وقت ساز پر جو نغمہ چھیڑا جائے۔
عذر خواہ ——— معذرت پیش کرنے والا۔
مگر بہ تیغ اجل خیمہ برکنم — شاید موت کی تلوار سے میں اپنے خیمہ کو اکھاڑ دوں۔ یعنی موت ہی مجھ کو تیرے دروازہ سے ہٹا سکتی ہے۔
مسندِ خورشید ——— سورج کو تکیہ سے تشبیہ دی ہے۔ فارسی میں مسند کا لفظ تکیہ اور پُر تکلف فرش دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
تکیہ گاہ ——— فقیروں کے رہنے کا مکان۔ مجازاً پشت پناہ۔
تو در طریق ادب باش — تو ادب کے طریقے کو نہ چھوڑ۔

اس غزل کے پہلے شعر میں مراعات النظیر ہے (خانقاہ، دعا، وردِ صبحگاہ)
تیسرے شعر میں صنعت تضاد ہے (پادشاہ، گدا)
چوتھے شعر میں صنعت تضاد ہے (مسجد، میخانہ)
چھٹے شعر میں مراعات النظیر ہے (آستان، مسند، تکیہ گاہ)

۱۰

دل سراپردهٔ محبّت اوست — دیده آیینه دار طلعت اوست

من که سر درنیاورم بدو کون — گردنم زیر بار منّت اوست

تو و طوبی و ما و قامت یار — فکر هر کس بقدر همّت اوست

گر من آلوده دامنم چه عجب — همه عالم گواه عصمت اوست

من که باشم در آن حرم که صبا — پرده دار حریم حرمت اوست

بی خیالش مباد منظر چشم — زانکه این گوشه جای خلوت اوست

هر گل نو که شد چمن آرای — ز اثر رنگ و بوی صحبت اوست

دور مجنون گذشت و نوبت ماست — هر کسی پنج روز نوبت اوست

ملکت عاشقی و گنج طرب — هرچه دارم ز یمن همّت اوست

من و دل گر فدا شدیم چه باک — غرض اندر میان سلامت اوست

فقر ظاهر مبین که حافظ را
سینه گنجینهٔ محبّت اوست

(۱۰) بحرِ خفیف مسدس مخبون محذوف / مقصور

فاعلاتن مفاعلن فعلن / فعلات

سراپردہ ــــ بارگاہ شاہی۔
آئینہ دارِ طلعت ــــ حسن و جمال کو ظاہر کرنے والا، یہاں مراد یہ ہے کہ عاشق کی آنکھ محبوب کے چہرے کی آئینہ دار ہے۔
سر در دنیا و رم ــــ سر نہیں جھکاتا۔
دو کون ــــ دنیا اور آخرت۔
طوبیٰ ــــ بہشت کے ایک درخت کا نام۔
حرم ــــ خانۂ کعبہ کے گرد جو احاطہ ہے اس کا نام حرم ہے خانۂ کعبہ کو بھی حرم کہتے ہیں۔
حریم ــــ مکان کا اندرونی حصّہ۔ گھر کے چاروں طرف کی دیوار۔
حرمت ــــ عزّت۔ حرام ہونا۔
منظرِ چشم ــــ آنکھ کی پتلی۔
نوبت ــــ باری۔ مرتبہ۔
ملکتِ عاشقی ــــ عشق کو ملک سے تشبیہ دی ہے۔
گنجِ طرب ــــ خوشی کا خزانہ۔
یُمن ــــ برکت۔
گنجینۂ محبّت ــــ محبت کا خزانہ۔

اِس غزل کے پانچویں شعر میں صنعت اشتقاق ہے (حرم، حریم، حرمت)
ساتویں شعر میں مراعات النظیر ہے (گل، چمن، رنگ و بو)

۱۱

بنال بلبل اگر بامنت سر یاریست — که ما دو عاشق زاریم و کار ما زاریست

در آن زمین که نسیمی وزد ز طرهٔ دوست — چه جای دم زدن نافهای تاتاریست

بیار باده که رنگین کنیم جامهٔ زرق — که مست جام غروریم و نام هشیاریست

خیال زلف تو پختن نه کار هر خامیست — که زیر سلسله رفتن طریق عیاریست

لطیفه ایست نهانی که عشق از و خیزد — که نام آن نه لب لعل و خط زنگاریست

جمال شخص نه چشمست و زلف و عارض و خال — هزار نکته درین کار و بار دلداریست

قلندران حقیقت به نیم جو نخرند — قبای اطلس آنکس که از هنر عاریست

بر آستان تو مشکل توان رسید آری — عروج بر فلک سروری بدشواریست

سحر کرشمهٔ چشمت بخواب میدیدم — زهی مراتب خوابی که به ز بیداریست

دلش بناله میازار و ختم کن حافظ
که رستگاری جاوید در کم آزاریست

(۱۱) بحر مجتث مثمن مخبون مقصور/محذوف

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات/فعلن

اگر بامنت سر یاریست — اگر تجھے میرے ساتھ دوستی کا خیال ہے۔
دم زدن نافہای تاتاری — نافہائے تاتاری کا دم مارنا۔ یعنی اپنی خوشبو پہ ناز کرنا۔
جامۂ زرق — مکر کا لباس۔ دنیا دار درویشوں پر طنز ہے۔
خیال زلف تو پختن — تیری زلف کے خیال میں محو ہو جانا۔
زیر سلسلہ رفتن — زنجیر کے نیچے چلنا۔ یعنی پابند سلاسل ہونا۔
طریق عیّاری — دلیر اور چالاک لوگوں کا طریقہ۔
لب لعل — سُرخ ہونٹ۔ مُراد محبوب کے ہونٹ۔
کاروبار دلداری — محبوب کے معاملے۔
بہ نیم جو نخرند — آدھے جو کی قیمت پر بھی نہ خریدیں۔ یعنی نہایت حقیر اور بے قدر چیز۔
قبای اطلس — ریشمی لباس۔ قیمتی کپڑے۔
ہنر — کاریگری۔ فن۔ مہارت۔
مراتب — مرتبے۔
کم آزاری — کسی کو تکلیف نہ دینا۔

اِس غزل کے چھٹے شعر میں مراعاۃ النظیر ہے (جمال، چشم، زلف و عارض و خال)
نویں شعر میں صنعت تضاد ہے۔ (خودی، بیداری)

(۱۲)

یارب این شمع دلفروز زکاشانہ کیت   جان ما سوخت بپرسید کہ جانانہ کیست
حالیا خانہ برانداز دل و دین منست   تا در آغوش کہ می خسبد و ہمخانہ کیست
بادہ لعل لبش کز لب من دور مباد   راح روح کہ و پیمان دہ پیمانہ کیست
دولت صحبت آن شمع سعادت پرتو   باز پرسید خدا را کہ بپروانہ کیست
میدہد ہرکسش افسونی و معلوم نشد   کہ دل نازک او مایل افسانہ کیست
یارب آن شاہ وش ماہ رخ زہرہ جبین   در یکتای کہ و گوہر یکدانہ کیست

گفتم آہ از دل دیوانہ حافظ بی تو
زیر لب خندہ زنان گفت کہ دیوانہ کیت

(۱۲) بحرِ رمل مخبون مقصور / محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات/فعلن

شمعِ دلافروز —— دل کو روشن کرنے والی شمع۔ مراد محبوب۔

راح روح —— راح کے معنی راحت کے بھی ہیں اور شراب کے بھی۔ روح کی مسرت کنایہ ہے محبوب کے ہونٹوں کی شراب سے، باربد کے ایک لحن کا بھی نام ہے۔

پیمان ودہِ پیمانہ —— شراب پلانے کا وعدہ کرنے والا۔

شمعِ سعادت پرتو —— سعادت کا نور پھیلانے والی شمع، مراد محبوب۔

میدہارہرکشں افسونی —— ہر شخص اس پر جادو کرتا ہے یعنی جو بھی ہے وہ میرے محبوب کا پرستار ہے اور اُسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

شاہ وش —— بادشاہوں کی سی شان والا، مُراد محبوب۔

ماہ رُخ —— چاند جیسے چہرے والا۔ مُراد محبوب۔

زہرہ جبین —— جس کی پیشانی زہرہ ستارے کی طرح روشن ہے۔ مُراد محبوب۔

دُرِ یکتا —— قیمتی موتی جو صدف میں اکیلا ہوتا ہے۔

اِس غزل کے تیسرے شعر میں تجنیس زائد اور صنعت اشتقاق ہے
(راح، روح)

پانچویں شعر میں صنعت تنسیق الصفات ہے۔
(شاہ وش، ماہ رُخ، زہرہ جبین)

(۱۳)

حاصل کارگه کون و مکان این همه نیست — باده پیش آر که اسباب جهان این همه نیست

از دل و جان شرف صحبت جانان غرضست — غرض اینست وگرنه دل و جان این همه نیست

منت سدره و طوبی ز پی سایه مکش — که چو خوش بنگری ای سرو روان این همه نیست

دولت آنست که بی خون دل آید بکنار — ورنه با سعی و عمل باغ جنان این همه نیست

پنج روزی که درین مرحله مهلت داری — خوش بیاسای زمانی که زمان این همه نیست

بر لب بحر فنا منتظریم ای ساقی — فرصتی دان که ز لب تا بدهان این همه نیست

زاهد ایمن مشو از بازی غیرت زنهار — که ره از صومعه تا دیر مغان این همه نیست

دردمندی من سوخته زار و نزار — ظاهراً حاجت تقریر و بیان این همه نیست

نام حافظ رقم نیک پذیرفت ولی
پیش رندان رقم سود و زیان این همه نیست

۱۴

بحرِ رمل مخبون مقصور / محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات / فعلن

کارگہِ کون و مکان ــ دُنیا اور آخرت کا کارخانہ۔
شرفِ صحبتِ جانان ــ محفلِ محبوب میں باریاب ہونے کی سعادت۔
سدرہ ــ ساتویں آسمان پر بیری کا ایک درخت ہے۔ جسے سدرۃ المنتہیٰ کہا گیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جبرئیل اس حد سے آگے نہیں جا سکتے۔
سروِ روان ــ استعارہ ہے محبوب کے لئے۔
خونِ دِل ــ کنایہ ہے سخت محنت سے۔
خوش بیا سای ــ خوب آرام سے زندگی بسر کر۔
صومعہ ــ عبادت خانہ۔
دیرِ مغان ــ آتش پرستوں کی عبادت گاہ۔

اِس غزل کے دوسرے شعر میں تجنیس زائد ہے (جان، جانان)
تیسرے شعر میں صنعت مراعات النظیر ہے (سدرہ، طوبیٰ، سایہ، سروِ روان)
پانچویں شعر میں صنعت اشتقاق اور تجنیس زائد ہے (زمانی، زمان)
ساتویں شعر میں صنعت تضاد ہے (صومعہ دیرِ مغان)
آٹھویں شعر میں تجنیس زائد ہے (زار و نزار)

(۱۴)

حسن تو همیشه در فزون باد رویت همه ساله لاله گون باد
اندر سر ما خیال عشقت هر روز که باد در فزون باد
هر سرو که در چمن در آید در خدمت قامت نگون باد
چشمی که نه فتنهٔ تو باشد چون گوهر اشک غرق خون باد
چشم تو ز بهر دلربائی در کردن سحر ذو فنون باد
هر جا که دلیست در غم تو بی صبر و قرار و بی سکون باد
قد همه دلبران عالم پیش الف قدت چو نون باد
هر دل که ز عشق تست خالی از حلقهٔ وصل تو برون باد

لعل تو که هست جان حافظ
دور از لب مردمان دون باد

۱۴

بحرِ ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف

مفعول مفاعلن فعولن/ مفاعیل

درفزون ـــــ اورزیادہ۔
نگون ـــــ جھکا ہوا۔
سحر ـــــ جادو۔
چشمی کہ نہ فتنۂ تو باشد ـــ جو آنکھ تجھ پر مفتون نہ ہو۔
ذوفنون ـــــ جو کئی طرح کے فن جانتا ہو۔ اِس شعر میں محبوب مُراد ہے جس کی ادائیں طرح طرح سے دلوں کو تسخیر کرلی ہیں۔
الفِ قامت ـــــ محبوب کے قد کو الف سے تشبیہ دی ہے۔
چونونِ باد ـــــ جھکے ہوئے قد کو نون سے تشبیہ دی ہے۔ عاجزی کی علامت ہے۔
مردانِ دون ـــــ دنیاپرست، کمینے، ادنیٰ درجے کے لوگ۔
تیسرے شعر میں استعارہ ہے (سرو سے مراد حسین)
پانچویں شعر میں استعارہ بالکنایہ ہے (چشم استعارہ ہے ساحرہ کے لیے)

(۱۵)

همای اوج سعادت بدام ما افتد — اگر ترا گذری برمقام ما افتد
حباب وار براندازم از نشاط کلاه — اگر ز روی تو عکسی بجام ما افتد
شبی که ماه مراد از افق شود طالع — بود که پرتو نوری ببام ما افتد
ببارگاه تو چون باد را نباشد بار — کی اتفاق مجال سلام ما افتد
چو جان فدای لبش شد خیال می‌بستم — که قطرهٔ ز زلالش بکام ما افتد
خیال زلف تو گفتا که جان وسیله مساز — کزین شکار فراوان بدام ما افتد
بنا امیدی ازین در مرو بزن فالی — بود که قرعهٔ دولت بنام ما افتد

ز خاک کوی تو هرگه که دم زند حافظ
نسیم گلشن جان در مشام ما افتد

(۱۵) بحرِ مجتث مثمن مخبون مقصور/ محذوف

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات/ فعلن

ہُما ——— ایک پرندہ کا نام جس کے لئے مشہور ہے کہ اس کا سایہ ایسا مبارک ہے کہ جو اس کے سائے میں آجائے اسے سلطنت مل جاتی ہے۔

حباب وار ——— بلبلے کی طرح۔

کلاہ بر اندازم ——— ٹوپی اُتار کر پھینک دوں۔ اس شعر میں حباب کے ٹوٹنے کو مستی کے اس عالم سے تشبیہ دی ہے۔ جب اندیشہ کے جوش میں اپنی ٹوپی اُتار کر پھینک دیتے ہیں۔

ماہ مراد ——— استعارہ ہے محبوب کے لیے۔

بود ——— ممکن ہے۔

نباشد بار ——— آنے کی اجازت نہیں ملتی۔ یعنی جب تیری بارگاہ تک ہوا کی رسائی نہیں ہوسکتی تو ہمیں سلام کرنے کی ہمت کیسے ہوسکتی ہے۔

زلال ——— صاف اور شیریں پانی۔

بزن فالی ——— فال دیکھ۔ (ممکن ہے مدعا حاصل ہوجائے)

اِس غزل کے تیسرے شعر میں مراعاتُ النظیر ہے (شبی، ماہ مراد، اُفق، طالع، پرتو نوری، بام)

ساتویں شعر میں مراعاتُ النظیر ہے (ناامیدی، فالی، قرعۂ دولت، نام)

آٹھویں شعر میں مراعات النظیر ہے (دم زند، نسیم گلشن، جان، مشام)

۱۶

سالها دل طلب جام جم از ما میکرد
وانچه خود داشت ز بیگانه تمنا میکرد

گوهری کز صدف کون و مکان بیرونست
طلب از گمشدگان لب دریا میکرد

مشکل خویش بر پیر مغان بردم دوش
کو بتایید نظر حل معما میکرد

دیدمش خرم و خندان قدح باده بدست
واندران آینه صد گونه تماشا میکرد

گفتم این جام جهان بین بتو کی داد حکیم
گفت آن روز که این گنبد مینا میکرد

گفت آن یار کزو گشت سر دار بلند
جرمش این بود که اسرار هویدا میکرد

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگران هم بکنند آنچه مسیحا میکرد

گفتمش سلسلهٔ زلف بتان از پی چیست
گفت حافظ گلهٔ از دل شیدا میکرد

(۱۶) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور/محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن فعلات

جامِ جم ——— ایران کے مشہور بادشاہ جمشید کا پیالہ۔ اُسے جامِ جہاں نما بھی کہا گیا ہے۔
صدفِ کون ومکان ——— دونوں جہان کو سیپ سے تشبیہ دی گئی ہے۔
بر پیرِ مغان ——— پیرِ مغاں کے پاس۔
جامِ جہان بین ——— وہ پیالہ جس میں دنیا کا حال نظر آئے۔
گنبدِ مینا میکرد ——— کنایہ ہے آسمان سے۔ مینا سبز بھی ہوتا ہے اور لاجوردی بھی۔ مراد یہ ہے کہ جس دن آسمان بنایا گیا تھا اُسی دن مجھے جامِ جہاں بیں دیا گیا۔
سرِ دار بلند گشت ——— سولی کا مرتبہ بلند ہو گیا۔
رُوح القدس ——— پاک رُوح۔ مراد حضرت جبریل۔
مسیحا ——— حضرت عیسیٰ کا لقب۔

اِس غزل کے پہلے شعر میں استعارہ بالکنایہ ہے۔
دوسرے شعر میں صنعت مراعاتُ النظیر ہے (گوہر، صدف، دریا)
چھٹے شعر میں قصۂ منصور کی تلمیح ہے۔
ساتویں شعر میں اعجازِ مسیحا کی تلمیح ہے۔

۱۷

نفس باد صبا مشک فشان خواهد شد
عالم پیر دگرباره جوان خواهد شد

ارغوان جام عقیقی بسمن خواهد داد
چشم نرگس بشقایق نگران خواهد شد

این تطاول که کشید از غم هجران بلبل
تا سراپردهٔ گل نعره زنان خواهد شد

گر ز مسجد بخرابات شدم خرده مگیر
مجلس وعظ درازست و زمان خواهد شد

ای دل ار عشرت امروز بفردا فکنی
مایهٔ نقد بقا را که ضمان خواهد شد

ماه شعبان منه از دست قدح کاین خورشید
از نظر تا شب عید رمضان خواهد شد

گل عزیزست غنیمت شمریدش صحبت
که بباغ آمد ازین راه و ازان خواهد شد

مطربا مجلس انسست غزل خوان و سرود
چند گوئی که چنین رفت و چنان خواهد شد

حافظ از بهر تو آمد سوی اقلیم وجود
قدمی نه بوداعش که روان خواهد شد

۱۷

بحرِ رمل مثمن مخبون، مقصور/محذوف

فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن / فعلات

نفسِ بادِ صبا ـــــ استعارہ بالکنایہ ہے۔ بادِ صبا کا سانس۔
مشک فشان ـــــ مُشک بکھیرنے والا۔ معطّر۔
ارغوان ـــــ ایک سُرخ پھول۔
جامِ عقیقی ـــــ عقیق جیسا سُرخ پیالہ۔
شقایق ـــــ لالہ کا پھُول۔
تطاول کشید ـــــ زیادتی برداشت کی۔
خردہ مگیر ـــــ نکتہ چینی نہ کر۔ اس کے عیب کی طرف اشارہ نہ کر۔
زمان خواہد شد ـــــ دیر تک رہے گی۔
نقدِ بقا ـــــ بقا کو دولت سے تشبیہ دی ہے۔
ضمان ـــــ ضمانت دینے والا۔ ضامن۔
از نظر خواہد شد ـــــ آنکھوں سے دُور رہے گا۔
غنیمت شمریدش صحبت ـــــ اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو۔
اقلیمِ وجود ـــــ ہستی کو ملک سے تشبیہ دی ہے۔
قدمی نہ بہ وداعش ـــــ اس کو رُخصت کرنے کے لئے آگے بڑھ۔

اِس غزل کے دوسرے شعر میں مراعات النظیر ہے۔ (ارغوان، سمن، نرگس، شقایق)
چوتھے شعر میں تضاد ہے (مسجد، خرابات)
پانچویں شعر میں تضاد ہے (امروز، فردا)
چھٹے شعر میں مراعات النظیر ہے (ماہِ شعبان، خورشید، شب عید، رمضان)

۱۸

نه هر که چهره برافروخت دلبری داند
نه هر که آینه سازد سکندری داند

نه هر که طرف کله کج نهاد و تند نشست
کلاه داری و آیین سروری داند

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن
که دوست خود روش بنده پروری داند

غلام همت آن رند عافیت سوزم
که در گدا صفتی کیمیا گری داند

وفا و عهد نکو باشد ار بیاموزی
وگرنه هر که تو بینی ستم گری داند

بباختم دل دیوانه و ندانستم
که آدمی بچهٔ شیوهٔ پری داند

هزار نکتهٔ باریکتر ز مو اینجاست
نه هر که سر بتراشد قلندری داند

مدار نقطهٔ بینش ز خال تست مرا
که قدر گوهر یک دانه جوهری داند

بقد و چهره هر آنکس که شاه خوبان شد
جهان بگیرد اگر داد گستری داند

ز شعر دلکش حافظ کسی بود آگاه
که لطف طبع و سخن گفتن دری داند

(۱۸)

بحر مجتث مثمن مخبون مقصور/ محذوف

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات/ فعلن

چہرہ برافروخت ــــ چہرے کو روشن کیا۔
طرف کلہ کج نہاد ــــ ٹوپی کے کنارے کو ترچھا کیا۔ بانکپن اور جاہ و منصب پر غرور کی علامت ہے۔
تند نشست ــــ تمکنت کے ساتھ بیٹھا۔
کلاہ داری ــــ بادشاہی۔
بہ شرطِ مزد ــــ مزدوری کی شرط کے ساتھ۔
رندِ عافیت سوز ــــ وہ قلندر جو خوشی اور غم کو برابر سمجھے، یعنی اپنی بے پروائی سے راحت کو رنج سے بدل کر مطمئن ہو جائے۔
سر بتراشد ــــ سر کے بال منڈاتا ہے۔
قلندر ــــ رندِ بے باک، وہ درویش جو پابندِ شریعت نہ ہو۔
مدار ــــ دائرہ، حلقہ۔
نقطۂ بینش ــــ بصیرت کا نقطہ، آگہی۔
مدار... زخال تست مرا ــــ تیرے چہرے کے تل سے مجھے بصیرت حاصل ہوئی ہے۔ نقطۂ بینش کنائے کے طور پر آنکھ کی پتلی کو بھی کہتے ہیں۔
جہان بگیرد ــــ ساری دنیا کو فتح کر لے۔
دادگستری ــــ انصاف، عدالت۔
لطفِ طبع ــــ طبیعت کی لطافت۔
سخن گفتن دری ــــ فارسی دری سب سے زیادہ شیریں اور فصیح مانی گئی ہے۔ یہاں خواجہ حافظ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو فصیح اور شیریں فارسی میں شعر کہا جاتا ہے وہی میرے شعر کی دلکشی کو سمجھ سکتا ہے۔

اِس غزل کے پہلے شعر میں تلمیح ہے (آئینہ سکندر)
دسویں شعر میں مراعات النظیر ہے (شعرِ دلکش، لطفِ نظم، سخن گفتن)

۱۹

رسید مژده که ایام غم نخواهد ماند　　چنان نماند چنین نیز هم نخواهد ماند

من ارچه در نظر یار خاکسار شدم　　رقیب نیز چنین محترم نخواهد ماند

چو پرده دار بشمشیر میزند همه را　　کسی مقیم حریم حرم نخواهد ماند

چه جای شکر و شکایت ز نقش نیک و بد است　　چو بر صحیفهٔ هستی رقم نخواهد ماند

سرود مجلس جمشید گفته اند این بود　　که جام باده بیاور که جم نخواهد ماند

غنیمتی شمر ای شمع وصل پروانه　　که این معامله تا صبحدم نخواهد ماند

توانگرا دل درویش خود بدست آور　　که مخزن زر و گنج درم نخواهد ماند

بدین رواق زبرجد نوشته اند بزر　　که جز نکوئی اهل کرم نخواهد ماند

ز مهربانی جانان طمع مبر حافظ
که نقش جور و نشان ستم نخواهد ماند

(۱۹)

بحرِ مجتث مثمن مخبون مقصور/محذوف

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات/فعلن

پردہ دار ——— دربان، پاسبان۔
برصحیفۂ ہستی رقم نخواہد ماند ——— زندگی کی کتاب پر کوئی تحریر باقی نہیں رہے گی۔
مجلسِ جمشید ——— جمشید کی محفل۔ اس شعر میں وہ محفل مراد ہے جسے غیر معمولی اہتمام سے آراستہ کیا گیا ہو۔
رواق زبرجد ——— کنایہ ہے آسمان سے۔ رواق۔ چھجہ، سائبان۔ زبرجد ایک قیمتی پتھر ہے سبز رنگ، مائل بہ زردی۔
نکوئی اہل کرم ——— کرم کرنے والوں کی نیکی۔
طمع مبر ——— لالچ مت کر۔

اِس غزل کے تیسرے شعر میں صنعت اشتقاق ہے (حریم۔ حرم)
چوتھے شعر میں صنعتِ تضاد ہے (شکر، شکایت۔ نیک، بد)
پانچویں شعر میں مراعات النظیر ہے (سرودِ مجلس، جام بادہ، جم)
ساتویں شعر میں تضاد ہے (توانگر، درویش)
اور مراعات النظیر ہے۔ (توانگر، مخزن زر، گنجینہ، درم)
نویں شعر میں تضاد ہے (مہربانی، جور و ستم)

۲۰

دوش وقت سحر از غصه نجاتم دادند — واندر آن ظلمت شب آب حیاتم دادند

بیخود از شعشعهٔ پرتو ذاتم کردند — باده از جام تجلی صفاتم دادند

چه مبارک سحری بود و چه فرخنده شبی — آن شب قدر که این تازه براتم دادند

بعد ازین روی من و آینهٔ وصف جمال — که در آنجا خبر از جلوهٔ ذاتم دادند

من اگر کامروا گشتم و خوشدل چه عجب — مستحق بودم و اینها بزکاتم دادند

هاتف آنروز بمن مژدهٔ این دولت داد — که بدان جور و جفا صبر و ثباتم دادند

این همه شهد و شکر کز سخنم میریزد — اجر صبریست کزان شاخ نباتم دادند

همت حافظ و انفاس سحرخیزان بود
که ز بند غم ایام نجاتم دادند

۲۰

بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور/محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن / فعلات

آبِ حیات —— وہ پانی جسے پینے والا ہمیشہ زندہ رہے۔ مجازاً محبوب کا وصال۔

شعشۂ پرتوِ ذات —— محبوب کی ذات کے عکس کی تیز روشنی۔

جامِ تجلیِ صفات —— وہ جام جس میں محبوب کی صفات کا جلوہ نظر آئے۔

فرخندہ شبی —— مبارک رات۔

برات —— انعام یا جاگیر کا کاغذ، پروانہ۔

زکات —— صدقہ۔ مال کا وہ حصّہ جو خدا کی راہ میں دیا جائے۔

شاخِ نبات —— مصری کا کوزہ۔ حافظ شیرازی کی محبوبہ کا نام بھی بتایا جاتا ہے۔

انفاسِ سحرخیزان —— صبح اُٹھ کر عبادت کرنے والوں کا بابرکت دم۔

اِس غزل کے پہلے شعر میں تضاد ہے (وقتِ سحر، ظلمتِ شب)

تیسرے شعر میں تضاد ہے (سحری، شبی)

اور مراعات النظیر ہے (مبارک، فرخندہ، شبِ قدر)

ساتویں شعر میں مراعات النظیر ہے (شہد، شکر، شاخِ نبات)

۲۱

دوش دیدم که ملایک در میخانه زدند
گل آدم بسرشتند و به پیمانه زدند

ساکنان حرم ستر و عفاف ملکوت
با من راه‌نشین بادهٔ مستانه زدند

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعهٔ کار بنام من دیوانه زدند

جنگ هفتاد و دو ملت همه را عذر بنه
چون ندیدند حقیقت ره افسانه زدند

شکر ایزد که میان من و او صلح افتاد
صوفیان رقص کنان ساغر شکرانه زدند

آتش آن نیست که از شعلهٔ او خندد شمع
آتش آنست که در خرمن پروانه زدند

کس چو حافظ نگشاد از رخ اندیشه نقاب
تا سر زلف سخن را بقلم شانه زدند

(۲۱) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور / محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن / فعلات

گل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند ——— آدم کی مٹی گوندھ کر پیمانہ میں لگادی۔
عفاف ملکوت ——— فرشتوں کی سی پاکیزگی۔
قرعہ ——— پانسہ جس سے فال لی جائے۔
ہفتاد و دو ملت ——— مسلمانوں کے بہتر فرقے۔
عذر بنہ ——— معذور سمجھ۔
زلف سخن ——— استعارہ ہے مراد شعر۔
رہ افسانہ زدند ——— افسانہ و مجازی راہ پر چل پڑے۔
بہ قلم شانہ زدند ——— قلم سے کنگھا کیا۔ یعنی جب سے زلف سخن کو قلم سے سنوارنا شروع کیا گیا ہے کسی نے آج تک حافظ کی طرح فکر و خیال کے چہرے سے نقاب نہیں ہٹائی۔

اِس غزل کے چوتھے شعر میں صنعت تضاد ہے (حقیقت، افسانہ)
چھٹے شعر میں مراعات النظیر ہے (آتش، شعلہ، شمع، خرمن، پروانہ)
آٹھویں شعر میں مراعات النظیر ہے (رخ، شانہ، نقاب، زلف)

۲۲

غلام نرگس مست تو تاجدارانند — خراب بادهٔ لعل تو هوشیارانند

ترا صبا و مرا آب دیده شد غمّاز — وگرنه عاشق و معشوق رازدارانند

ز زیر زلف دوتا چون گذر کنی بنگر — که از یمین و یسارت چه سوگوارانند

گذار کن چو صبا بر بنفشه زار و ببین — که از تطاول زلفت چه بیقرارانند

نصیب ماست بهشت ای خداشناس برو — که مستحق کرامت گناه کارانند

نه من بر آن گل عارض غزل سرایم و بس — که عندلیب تو از هر طرف هزارانند

تو دستگیر شو ای خضر پی خجسته که من — پیاده میروم و همرهان سوارانند

بیا بمیکده و چهره ارغوانی کن — مرو بصومعه کانجا سیاه کارانند

خلاص حافظ از آن زلف تابدار مباد
که بستگان کمند تو رستگارانند

(۲۲) بحر مجتث مثمن مخبون مقصور / محذوف

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن / فعلات

ترا صبا و مرا آب دیدہ شد غماز —— ہوا نے تیری خوشبو پھیلائی اور آنسوؤں نے میرے
یمین و یسار —— راز کو افشا کیا۔ غماز، یعنی چغل خور۔

دائیں بائیں۔

مستحق کرامت — بخشش کے حق دار۔

ہزار —— بلبل اور ہزار دونوں معنی ہیں۔ یہاں بطور ایہام کے استعمال ہوا ہے۔

دستگیر شو —— مدد کر۔ سہارا دے۔

پی خجستہ —— مبارک قدم۔ بابرکت۔

سیاہ کار —— گناہ گار۔

بستگانِ کمند —— گرفتار۔ کمند میں جکڑے ہوئے۔

رستگار —— آزاد۔ یعنی آزاد وہی ہیں جو تیری کمند میں جکڑے ہوئے ہیں۔

اِس غزل کے پہلے شعر میں صنعت تضاد ہے (غلام، تاجدار، خراب، ہوشیار۔)
پانچویں شعر میں مراعات النظیر ہے (بہشت، خدا شناس، مستحق کرامت۔)
چھٹے شعر میں مراعات النظیر ہے (گل عارض، عندلیب، ہزار)
اور صنعت ایہام بھی (ہزار)
ساتویں شعر میں صنعت تضاد ہے (پیادہ، سوار)
آٹھویں شعر میں صنعت تضاد ہے (میکدہ، صومعہ، ارغوانی، سیاہ)

٢٣

واعظان کاین جلوه در محراب و منبر میکنند — چون بخلوت میروند آن کار دیگر میکنند

مشکلی دارم ز دانشمند مجلس باز پرس — توبه فرمایان چرا خود توبه کمتر میکنند

گوئیا باور نمیدارند روز داوری — کاین همه قلب و دغل در کار داور میکنند

یارب این نودولتانرا باخر خودشان نشان — کاین همه ناز از غلام ترک و استر میکنند

ای گدای خانقه برجه که در دیر مغان — میدهند آبی که دلها را توانگر میکنند

حسن بی پایان او چندانکه عاشق میکشد — زمرهٔ دیگر بعشق از غیب سر بر میکنند

بر در میخانهٔ عشق ای ملک تسبیح گوی — کاندر آنجا طینت آدم مخمر میکنند

صبحدم از عرش می آمد خروشی عقل گفت

قدسیان گوئی که شعر حافظ از بر میکنند

(۲۴)

بحرِ رمل مثمن مقصور/محذوف

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن/فاعلات

کارِ دیگر ـــــ دوسرا کام، کنایہ ہے خلافِ شرع افعال سے۔

توبہ فرمایان ـــــ توبہ کا حکم دینے والے۔

روز داوری ـــــ انصاف کا دن۔ روزِ قیامت۔

قلب و دغل ـــــ کھوٹ، مکر و فریب۔

کارِ داور ـــــ خدا کا کام۔

نو دولتان ـــــ اچانک دولت ملنے پر اترانے والے۔ کم ظرف رئیس۔

باخر خود شان نشان ـــــ ان نو دولتوں کو ان کے اپنے گدھے کے ساتھ بٹھا۔ مراد یہ ہے کہ یہ اپنی اصل کو نہ بھولیں۔

برجہ ـــــ لپک، جلدی کر۔

زمرہ دیگر بعشق از غیب سر بر میکنند ـــــ غیب سے عاشقوں کا ایک دوسرا گروہ پیدا ہو جاتا ہے۔

طینت آدم مخمر میکنند ـــــ آدم کی طبیعت کا خمیر تیار کیا جا رہا ہے۔ یعنی آدم کی خاک کو عشق کے شراب خانے میں گوندھا جا رہا ہے۔

قدسیان ـــــ فرشتے۔

گوئی ـــــ گویا کہ

ازبری کنند ـــــ یاد کر رہے ہیں۔

اِس غزل کے تیسرے شعر میں صنعت اشتقاق اور تجنیس زاید ہے۔
(داور، داوری)

پانچویں شعر میں صنعت تضاد ہے (خانقہ، دیرِ مغان)

(۲۴)

تا ز میخانه و می نام و نشان خواهد بود
سر ما خاک ره پیر مغان خواهد بود

حلقهٔ پیر مغان از ازلم در گوش است
بر همانیم که بودیم و همان خواهد بود

بر سر تربت ما چون گذری همت خواه
که زیارتگه رندان جهان خواهد بود

برو ای زاهد خودبین که ز چشم من و تو
راز این پرده نهانست و نهان خواهد بود

ترک عاشق‌کش من مست برون رفت امروز
تا دگر خون که از دیده روان خواهد بود

چشم آندم که ز شوق تو نهد سر بلحد
تا دم صبح قیامت نگران خواهد بود

بخت حافظ گر ازین گونه مدد خواهد کرد
زلف معشوقه بدست دگران خواهد بود

(۲۴) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور / محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن فعلات

حلقہ درگوش ـــــ غلام ہونا۔
ہمّت ـــــ مجازاً بلند ارادہ۔ کبھی فارسی میں دُعا کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ اِس شعر میں خواجہ حافظ نے دعا کے مفہوم میں نظم کیا ہے۔
زیارتِ گہِ رندانِ جہان ـــــ وہ جگہ جو زمانے بھر کے رندوں کے لئے واجب التعظیم ہے۔
رازِ این پردہ ـــــ کنایہ ہے دنیا کے بھیدوں سے۔
تا دگر خون کہ از دیدہ روان خواہد بود ـــــ اب دیکھنا ہے کہ کس کس کی آنکھیں خون بہاتی رہیں گی۔

۲۵

ای صبا نکهتی از خاک ره یار بیار — ببر اندوه دل و مژدهٔ دلدار بیار

نکتهٔ روح فزا از دهن دوست بگو — نامهٔ خوش خبر از عالم اسرار بیار

تا معطر کنم از لطف نسیم تو مشام — شمهٔ از نفحات نفس یار بیار

بوفای تو که خاک ره آن یار عزیز — بی غباری که پدید آید از اغیار بیار

گردی از رهگذر دوست بکوری رقیب — بهر آسایش این دیدهٔ خونبار بیار

خامی و ساده دلی شیوهٔ جانبازان نیست — خبری از بر آن دلبر عیار بیار

شکر آنرا که تو در عشرتی ای مرغ چمن — باسیران قفس مژدهٔ گلزار بیار

کام جان تلخ شد از صبر که کردم بی دوست — عشوهٔ زان لب شیرین شکربار بیار

روزگاریست که دل چهرهٔ مقصود ندید — ساقیا آن قدح آینه کردار بیار

دلق حافظ بچه ارزد بمیش رنگین کن
وانگهش مست و خراب از سر بازار بیار

(۲۵) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور/ محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن / فعلات

نکتۂ روح فزا —— ایسی لطیفہ نازک بات جس سے روح کو تازگی ملے۔
نامۂ خوش خبر —— ایسا خط جو اچھی خبر لے کر آیا ہے۔
شمہ —— تھوڑی سی۔
نفحات نفس یار —— محبوب کے سانس کی مہک۔
بی غباری کہ پدید آید از اغیار —— جس میں اغیار کے پیدا کئے ہوئے غبار کی آمیزش نہ ہو۔ یعنی صبا سے یہ مطالبہ ہے کہ صرف محبوب کے راستے کی خاک لا۔ اغیار سے غبار کی ملاوٹ اس میں نہ ہو۔

شیوۂ جانبازان —— بہادروں کا انداز۔
عشوۂ بیار —— محبوب کی کوئی ادا لا، مراد ہے محبوب کے ہونٹ کی شیرینی۔
قدحِ آئینہ کردار —— آئینہ کی طرح صاف اور روشن پیالہ۔
دلق حافظ بچہ ارزد —— حافظ کا خرقۂ درویشی ایک بے حقیقت شے ہے۔ اسے کوئی نہیں لیگا۔

اِس غزل کے پہلے شعر میں صنعتِ اشتقاق ہے (دل، دلدار)
تیسرے شعر میں مراعات النظیر (معطر، نسیم، مشام، نفحات) اور تجنیس زائد (یار، بیار) ہے۔
چھٹے شعر میں تجنیس زائد (بر، دلبر) ہے۔
ساتویں شعر میں صنعت تضاد ہے (نفس، گلزار)
آٹھویں شعر میں صنعت تضاد ہے (تلخ، شیریں)

٢٦

خیزو درکاسهٔ زر آب طربناک انداز ‌ ‌ ‌ پیشتر زانکه شود کاسهٔ سر خاک انداز

عاقبت منزل ما وادی خاموشانست ‌ ‌ ‌ حالیا غلغله در گنبد افلاک انداز

چشم آلوده نظر از رخ جانان دورست ‌ ‌ ‌ بر رخ او نظر از آینهٔ پاک انداز

بسر سبز تو ای سرو که گر خاک شوم ‌ ‌ ‌ ناز از سر بنه و سایه برین خاک انداز

دل ما را که ز مار سر زلف تو بخست ‌ ‌ ‌ از لب خود بشفاخانهٔ تریاک انداز

ملک این مزرعه دانی که ثباتی ندهد ‌ ‌ ‌ آتشی از جگر جام در املاک انداز

غسل در اشک زدم کاهل طریقت گویند ‌ ‌ ‌ پاک شو اوّل و پس دیده بر آن پاک انداز

یارب آن زاهد خودبین که بجز عیب ندید ‌ ‌ ‌ دود آهیش در آیینهٔ ادراک انداز

چون گل از نکهت او جامه قبا کن حافظ

وین قبا در ره آن قامت چالاک انداز

(۲۶) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور/محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات/فعلن

کاسۂ زر ـــــ سونے کا پیالہ۔
آب طربناک ـــــ کنایہ ہے شراب سے۔
شود خاک انداز ـــــ مٹی میں مل جائے یعنی فنا ہو جائے۔
عاقبت ـــــ انجام کار۔
وادیٔ خاموشان ـــــ قبرستان۔
بسرسبز تو ـــــ تجھے اپنی سرسبزی کی قسم۔
ناز از سر بنہ ـــــ اپنا غرور ترک کر دے۔ ناز و ادا چھوڑ۔
بخست ـــــ زخمی ہوا ہے۔ نڈھال ہے۔
تریاک ـــــ زہر مہرہ، زہر کی دوا، تریاق۔
مزرعہ ـــــ کھیتی۔
آتشی از جگر جام در املاک انداز ـــــ اپنی املاک میں شراب سے آگ لگا دے۔
آئینۂ ادراک ـــــ فہم انسانی کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔
جامہ قبا کن ـــــ جامہ چاک کرلے۔
قامت چالاک ـــــ چست بدن۔

۲۷

مژدهٔ وصل تو کو کز سر جان برخیزم ‌ ‌ ‌ طایر قدسم و از دام جهان برخیزم

بولای تو که گر بندهٔ خویشم خوانی ‌ ‌ ‌ از سر خواجگی کون و مکان برخیزم

یارب از ابر هدایت برسان بارانی ‌ ‌ ‌ پیشتر زانکه چو گردی ز میان برخیزم

بر سر تربت من با می و مطرب بنشین ‌ ‌ ‌ تا ببویت ز لحد رقص کنان برخیزم

خیز و بالا بنما ای بت شیرین حرکات ‌ ‌ ‌ کز سر جان و جهان دست فشان برخیزم

گرچه پیرم تو شبی تنگ در آغوشم کش ‌ ‌ ‌ تا سحرگه ز کنار تو جوان برخیزم

روز مرگم نفسی مهلت دیدار بده
تا چو حافظ ز سر جان و جهان برخیزم

(۲۷) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور/محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن/فعلات

گز سرِ جان برخیزم ـــ کہ میں جان سے گزر جاؤں۔
طایرِ قدس ـــ کنایہ ہے فرشتہ سے۔
دامِ جہان ـــ دنیا کا جال۔
بولای تو ـــ تیری محبت کی قسم۔
سرِ خواجگی کون و مکان ـــ دونوں جہاں کی سرداری کا خیال۔
ابرِ ہدایت ـــ رہنمائی کو ابر سے تشبیہ دی گئی ہے۔
بُتِ شیریں حرکات ـــ محبوب جس کی ہر ادا پسندیدہ ہے۔
بالا بنما ـــ اپنا قامت موزوں دکھا دے۔
دست فشان برخیزم ـــ رقص کرتا ہوا اٹھوں۔
تنگ در آغوشم کش ـــ مجھے اپنے آغوش میں پکڑ لے۔
زِ سرِ جان و جہان برخیزم ـــ اپنی جان اور جہان دونوں کا خیال چھوڑ دوں۔

اِس غزل کے دوسرے شعر میں تضاد ہے (جنازہ، خواجہ)
چھٹے شعر میں تضاد ہے (پیر، جوان)
ساتویں شعر میں تجنیس زائد ہے (جان، جہان)

۳۸

من ترک عشق شاهد و ساغر نمیکنم
صد بار توبه کردم و دیگر نمیکنم

باغ بهشت و سایهٔ طوبیٰ و قصر و حور
با خاک کوی دوست برابر نمیکنم

تلقین و درس اهل نظر یک اشارتست
گفتم کنایتی و مکرر نمیکنم

هرگز نمیشود ز سر خود خبر مرا
تا در میان میکده سر بر نمیکنم

ناصح بطعن گفت که رو ترک عشق کن
محتاج جنگ نیست برادر نمیکنم

این تقویم تمام که با شاهدان شهر
ناز و کرشمه بر سر منبر نمیکنم

حافظ جناب پیر مغان جای دولتست
من ترک خاکبوسی این در نمیکنم

(۲۸) بحرِ مضارع مثمن، اخرب، مکفوف/محذوف

مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

تلقین —— سمجھانا۔ دِل میں اُتار دینا۔
درس —— سکھانا۔
اہلِ نظر —— بصیرت والے یعنی اہلِ نظر صرف ایک اشارے سے بات دل میں اتار دیتے ہیں۔
کنایت —— رمز۔ بات کو پوشیدہ انداز سے کہنا۔
تا درمیان میکدہ سر بر نمیکنم —— جب تک میں شراب خانے میں سر نہیں اٹھاتا ہوں اس وقت تک مجھے اپنے سر کی خبر نہیں ہوتی۔
محتاج جنگ نیست برادر نمیکنم —— اے بھائی اس میں لڑنے کی کیا بات ہے۔ میں عشق نہیں چھوڑوں گا۔
جنابِ پیرِ مغان —— پیرِ مغاں کا آستانہ۔

اِس غزل کے دوسرے شعر میں صنعت مراعاتُ النظیر ہے۔
(باغِ بہشت، سایہ طوبیٰ، عصر، حور)

(۲۹)

بمژگان سیه کردی هزاران رخنه در دینم　　بیا کز چشم بیمارت هزاران درد برچینم

الا ای همنشین دل که یارانت برفت از یاد　　مرا روزی مباد آندم که بی یاد تو بنشینم

جهان پیر است و بی بنیاد ازین فرهادکش فریاد　　که کرد افسون و نیرنگش ملول از جان شیرینم

ز تاب آتش دوری شدم غرق عرق چون گل　　بیار ای باد شبگیری نسیمی زان عرق چینم

جهان فانی و باقی فدای شاهد و ساقی　　که سلطانی عالم را طفیل عشق می بینم

اگر بر جای من غیری گزیند دوست حاکم اوست　　حرامم باد اگر من جان بجای دوست بگزینم

صباح الخیر زد بلبل کجائی ساقیا برخیز　　که غوغا می کند در سر خیال خواب دوشینم

شب رحلت هم از بستر روم در قصر حورالعین　　اگر در وقت جان دادن تو باشی شمع بالینم

حدیث آرزومندی که در این نامه ثبت افتاد
همانا بی غلط باشد که حافظ داد تلقینم

(۲۹) بحر ہزج سالم مثمن

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

رخنہ ـــــ خلل۔
بیا کہ چشم بیمارت ہزاران درد برچینم ـــ اگر میں تیری چشم بیمار کا سارا درد خود لے لوں۔
یاراں انت برفت از یاد ـــــ تو نے اپنے دوستوں کو فراموش کر دیا ہے۔
فرہادکش ـــ فرہاد کو مارنے والی۔ اشارہ ہے اس پیرزن کی طرف جس نے شیریں کی جھوٹی موت کی خبر فرہاد کو سنائی اور فرہاد اس صدمے کی تاب نہ لا کر جان دے بیٹھا۔
تاب آتش دوری ـ دوری کی جدائی کو آگ سے تشبیہ دی ہے ۔ جدائی کی آگ کی گرمی۔
باد شبگیری ـــــ رات کی ہوا۔
عرق چین ـــــ پسینہ پوچھنے کا کپڑا یا رومال۔
سلطانی عالم ـــــ دنیا کی بادشاہت۔
حاکم اوست ـــــ وہی حاکم ہے یعنی اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔
صباح الخیر ـــــ صبح بخیر، صبح کا سلام۔
غوغا ـــــ شور و غل۔
خواب دوشین ـ رات کا خواب۔
قصر حور العین ـــــ حور بہشتی کا محل۔
بالین ـــــ سرہانا۔
شمع بالین ـــــ استعارہ ہے محبوب کے لئے۔ گویا بجائے شمع رحلت کے وقت اگر میرے سرہانے محبوب موجود ہو۔
حدیث ـــــ بات، قصہ۔
واد تلقینم ـــــ مجھے سکھایا ہے۔

اس غزل کے تیسرے شعر میں تلمیح ہے۔
چوتھے شعر میں تجنیس ہے۔ (عرق، عرق)
پانچویں شعر میں تضاد ہے۔ (فانی، باقی)

۳۰

در خرابات مغان نور خدا می بینم | این عجب بین که چه نوری ز کجا می بینم

جلوه بر من مفروش ای ملک الحاج که تو | خانه می بینی و من خانه خدا می بینم

خواهم از زلف بتان نافه گشائی کردن | فکر دورست همانا که خطا می بینم

سوز دل اشک روان آه سحر نالهٔ شب | این همه از نظر لطف شما می بینم

هر دم از روی تو نقشی زندم راه خیال | با که گویم که درین پرده چها می بینم

کس ندیدست ز مشک ختن و نافهٔ چین | آنچه من هر سحر از باد صبا می بینم

دوستان عیب نظربازی حافظ مکنید

که من او را از محبان شما می بینم

(۴۰) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور/محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن/فعلات

جلوہ بر من مفروش ـــــ میرے سامنے فخر نہ کر۔
ملک الحاج ـــــ حاجیوں کے قافلے کا سردار۔
خانہ خدا ـــــ اس ترکیب میں اضافت مقلوب ہے۔ یعنی خدا سے خانہ گھر کا مالک یعنی مطلب یہ ہے کہ تونے صرف خدا کا گھر دیکھا ہے اور میں نے خدا کو دیکھا ہے۔
نافہ گشائی ـــــ معطر کرنا۔
فکر دور است ـــــ یہ محال سی بات ہے۔ ناممکن سا خیال ہے۔
زندم راہ خیال ـــــ میرے خیال پر ڈاکہ ڈالتا ہے (زندم کی میم خیال سے متعلق ہے یعنی راہ خیالم زند)
چہا ـــــ کیا کیا (چہ + ہا)

اِس غزل کے تیسرے شعر میں ایہام ہے (خطا)
چوتھے شعر میں صنعت جمع ہے (سوزِ دل، اشکِ روان، آہِ سحر، نالۂ شب)
اور صنعت تضاد ہے (سحر، شب)

٣١

بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم — فلک را سقف بشکافیم و طرحی نو دراندازیم

اگر غم لشکر انگیزد که خون عاشقان ریزد — من و ساقی بهم سازیم و بنیادش براندازیم

شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزیم — نسیم عطرگردان را شکر در مجمر اندازیم

چو در دست است رودی خوش بزن مطرب سرودی خوش — که دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

صبا خاک وجود ما بدان عالی جناب انداز — بود کان شاه خوبان را نظر بر منظر اندازیم

یکی از عقل می لافد یکی طامات می بافد — بیا کاین داوریها را به پیش داور اندازیم

بهشت عدن اگر خواهی بیا با ما به میخانه — که از پای خمت روزی بحوض کوثر اندازیم

سخن دانی و خوش خوانی نمی ورزند در شیراز — بیا حافظ که تا خود را بملکی دیگر اندازیم

(۳۱)

بحر ہزج مثمن مسبغ

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلان

سقف ــــــ چھت

بہم سازیم ــــــ متفق ہو کر۔

مجمر ــــــ انگیٹھی۔

شکر در مجمر اندازیم ــــ انگیٹھی میں شکر ڈالیں۔ شکر میں عود کا برادہ ملا کر انگیٹھی میں ڈالا جاتا تھا۔

رود ــــــ ساز۔ باجا

دست افشان ــ تالی بجاتے ہوئے۔

پاکوبان ــــــ ناچتے ہوئے۔

سرانداز یم ــــــ سر جھکانا۔ نیاز، عقیدت یا وجد و کیف کا اظہار۔

بود کان شاہ خوبان را نظر بر منظر اندازیم ــــــ شاید اُس حسینوں کے بادشاہ کے چہرے پر ہم نظر ڈال سکیں۔

می لافد ــــــ شیخی مارتا ہے۔

طامات می بافد ــــ بے سروپا باتوں کا تانا بانا بنتا ہے۔

پیش داور اندازیم ــ فلسفی اور صوفی جو عقل و نفس کے غرور میں خدا بن گئے ہیں ان کو خدا کے سامنے پیش کر دیں تاکہ ان کی حقیقت کھل جائے۔

خوش خوانی ــ اچھے شعر کہنا۔

نمی ورزند ــــ محنت نہیں کرتے، یا اختیار نہیں کرتے۔ مراد یہ ہے کہ شیراز میں لوگ شاعری کے فن پر محنت نہیں کرتے۔ اس لیے میرے فن کی بھی قدر نہیں کرتے۔

خود را بملکی دیگر اندازیم ــــ ہم اپنے آپ کو کسی دوسرے ملک میں لے جائیں۔

اس غزل کے دوسرے شعر میں استعارہ بالکنایہ ہے۔

چوتھے شعر میں صنعت مراعات النظیر ہے (مطرب، سرود، دست افشان، غزل خوان، پاکوبان)

پانچویں شعر میں صنعت تجنیس زائد و اشتقاق ہے (نظر، منظر)

۳۶

شاه شمشاد قدان خسرو شیرین دهنان | که بمژگان شکند قلب همه صف شکنان
مست بگذشت و نظر بر من درویش انداخت | گفت ای چشم و چراغ همه شیرین سخنان
تا کی از سیم و زرت کیسه تهی خواهد بود | بندهٔ من شو و بر خور ز همه سیم تنان
کمتر از ذرّه نهٔ پست مشو مهر بورز | تا بخلوتگه خورشید رسی چرخ زنان
بر جهان تکیه مکن ور قدحی می داری | شادی زهره جبینان خور و نازک بدنان
پیر پیمانه کش من که روانش خوش باد | گفت پرهیز کن از صحبت پیمان شکنان
دامن دوست بدست آر و ز دشمن بگسل | مرد یزدان شو و فارغ گذر از اهرمنان
با صبا در چمن لاله سحر میگفتم | که شهیدان که اند این همه خونین کفنان
گفت حافظ من و تو محرم این راز نه ایم
از می لعل حکایت کن و شیرین دهنان

(۳۲) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور / محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات / فعلن

شاہِ شمشاد قدان —— کنایہ ہے محبوب سے۔ یعنی شمشاد قد اور شیریں دہن حسینوں کا بادشاہ۔ مُراد حسن میں سب سے برتر۔
خسرو شیریں دہنان —— کنایہ ہے محبوب سے۔
قلبِ صف شکنان —— جنگبازوں کے لشکر کا قلب۔
چشم و چراغ —— کنایہ ہے سببِ بینائی اور سرمایۂ بصارت سے۔ مراد وہ ہستی جو بہت عزیز ہو۔
برخور از ہمہ سیم تنان —— سیمیں بدن حسینوں سے لُطف اٹھا۔
مہر بورز —— محبت اختیار کر۔
چرخ زنان —— گردش کرتے ہوئے۔ جھومتے ہوئے اکیف و وجد کے عالم میں۔
شادی زہرہ جبینان خور د نازک بدنان —— بجائے دنیا کا غم اور فریب کھانے کے حسینوں کی خوشی کھا۔ یعنی ان کی خوشیوں میں شریک ہو۔
پیر پیمانہ کش —— ہمارا مرشد جو شراب پیتا ہے۔
روانش خوش باد —— دعائیہ کلمہ ہے (اُس کی رُوح خوش ہو)
پیمان شکنان —— عہد کو توڑنے والے۔ کنایہ ہے حسین محبوب سے۔
دامن دوست بدست آر —— دوست کا دامن پکڑ لے۔
ز دشمن بگسل —— دشمن سے اپنا تعلق ختم کر لے۔
مرد یزدان —— مردِ خدا، خدا والے۔
اہرمنان —— شیطان۔
شہیدان کہ —— کس کے شہید ہیں۔
حکایت کن —— باتیں کر۔

اِس غزل کے پہلے شعر میں صنعت اشتقاق ہے۔ (شکند، شکنان)
چوتھے شعر میں صنعت ابہام ہے۔ (زہرہ)
ساتویں شعر میں لف و نشر مرتب ہے۔
آٹھویں شعر میں مراعات النظیر ہے (صبا، چمن، لالہ، شہیدان، خونین کفنان)

۳۴

شراب لعل کش و روی مه‌جبینان بین — خلاف مذهب آنان جمال اینان بین

بزیر دلق ملمع کمندها دارند — درازدستی این کوته‌آستینان بین

بخرمن دو جهان سر فرو نمی‌آرند — دماغ و کبر گدایان و خوشه‌چینان بین

بهای نیم کرشمه هزار جان طلبند — نیاز اهل دل و ناز نازنینان بین

حقوق صحبت ما را بباد داد و برفت — وفای صحبت یاران و همنشینان بین

اسیر عشق شدن چارهٔ خلاص منست — ضمیر عاقبت‌اندیش پیش‌بینان بین

کدورت از دل حافظ ببرد صحبت دوست

صفای همّت پاکان و پاک‌دینان بین

(۴۳) بحرِ مجتث مثمن مخبون مقصور

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلات/فعلن

شرابِ لعل — سُرخ شراب۔
جمالِ اینان — ان کا حسن، مراد یہ ہے حسینوں کو دیکھو اور زاہدانِ ریاکار کے مذہب کے خلاف مہ جبینوں سے محبت کرو۔
دلقِ ملمع — زاہدانِ ریاکار کا لباس جو اپنی ظاہری وضع سے دھوکہ دیتے ہیں۔
درازدستی — ظلم۔
کوتہ آستینان — کنایہ ہے ریاکار زاہدوں سے۔ وہ لوگ جو شرعی لباس پہنتے ہیں جس میں قمیص اور جُبّہ کی آستین چھوٹی ہوتی ہے۔
سرفرو نمی آرند — سر نہیں جھکاتے۔
بہای — قیمت۔
بباد داد — بھول گیا۔
چارۂ خلاص — رہائی کی تدبیر۔
عاقبت اندیش — انجامِ کار سوچنے والے۔
پیش بینان — مستقبل پر نظر رکھنے والے۔

اِس غزل کے دوسرے شعر میں صنعت تضاد ہے (دراز، کوتہ)
چوتھے شعر میں صنعتِ تضاد ہے (نیاز، ناز)
چھٹے شعر میں صنعت تضاد ہے (اسیر، خلاص)

(۳۴)

عیشم مدامست از لعل دلخواه — کارم بکامست الحمدلله

ای بخت سرکش تنگش ببر کش — گه جام زرکش گه لعل دلخواه

ما را برندی افسانه کردند — پیرانِ جاهل شیخان گمراه

از دست زاهد کردیم توبه — وز فعل عابد استغفرالله

جانا چه گویم شرح فراقت — چشمی وصد نم جانی وصد آه

کافر مبیناد این غم که دیدست — از قامتت سرو از عارضت ماه

شوق لبت برد از یاد حافظ
درس شبانه ورد سحرگاه

(۳۴)

بحرِ متقارب اثلم مسبغ

فعلن فعولان فعلن فعولان
فعولن فعولن

لعل دلخواہ —— کنایہ ہے محبوب کے ہونٹوں سے۔
کارم بکانست — میرا کام حسبِ مراد ہے (مجھے اپنا مقصد حاصل ہوگیا)
الحمدللہ —— خدا کا شکر ہے۔
تنگش ببرکش —— اُسے اپنے آغوش میں جکڑ لے۔
افسانہ کردند —— مشہور کر دیا ہے۔
پیرانِ جاہل —— وہ مکار صوفی جو کچھ نہیں جانتے اور اپنے فریب سے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔
شیخانِ گمراہ —— وہ ظاہر پرست دیندار جو دین کے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔
دستِ زاہد —— کنایہ ہے زاہدوں کی ریاکاری سے۔
فعل عابد —— کنایہ ہے عبادت کرنے والوں کی مکاری سے۔
مبیناد —— نہ دیکھے۔
درس شبانہ — رات کا درس جو دین و اخلاق پر مشتمل ہوتا ہے۔
وردِ سحرگاہ — صبح کی عبادت اور وظیفہ۔
اِس غزل کے پہلے شعر میں صنعت تجنیس اور مرصع ہے۔ (کارم، کام)

۳۵

ای که با سلسلهٔ زلف دراز آمدهٔ
فرصتت باد که دیوانه نواز آمدهٔ

ساعتی ناز مفرما و بگردان عادت
چون بپرسیدن ارباب نیاز آمدهٔ

پیش بالای تو میرم چه بصلح و چه بجنگ
چون بهر حال برازندهٔ ناز آمدهٔ

آب و آتش بهم آمیخته از لب لعل
چشم بد دور که بس شعبده باز آمدهٔ

آفرین بر دل نرم تو که از بهر ثواب
کشتهٔ غمزهٔ خود را بنماز آمدهٔ

زهد من با تو چه سنجد که بیغمای دلم
مست و آشفته بخلوتگه راز آمدهٔ

گفت حافظ دگرت خرقه شراب آلوده است
مگر از مذهب این طایفه باز آمدهٔ

(۳۵) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور / محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن فعلات

سلسلۂ زلفِ دراز ــــ محبوب کے لمبے بالوں کو زنجیر سے تشبیہ دی ہے۔
فرصتت باد ــــ تیری عمر دراز ہو۔
پیش بالای تو میرم ــــ میں تیرے قد کے سامنے جان دے دوں۔
بر زندۂ ناز ــــ ناز کی زینت بڑھانے والا۔
دلِ نرم ــــ اِس شعر میں طنز کے طور پر محبوب کی سخت دلی کو آفریں کہا ہے۔
غمزہ ــــ محبوب کے چشم وابرو کا اشارہ۔
بنماز آمدہ ــــ یہاں جنازہ کی نماز مراد ہے کہ محبوب اپنے غمزے سے شہید کرنے کے بعد ثواب کی خاطر نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے آیا ہے۔
زہدِ من با تو چہ سنجد ــــ میرے زہد کا تیرے سامنے کیا وزن ہے؟ کوئی حقیقت نہیں۔
یغمای دلم ــــ میرے دِل کو لوٹنے کے لئے۔
آشفتہ ــــ پریشان حال۔ پراگندہ۔
دگرت خرقہ ــــ ت خرقہ سے متعلق ہے یعنی تیرا خرقہ پھر شراب آلود ہے۔
مذہب ــــ راستہ، طریقہ۔
طایفہ ــــ گروہ، جماعت۔

اِس غزل کے دوسرے شعر میں تضاد ہے۔ (ناز، نیاز)
تیسرے شعر میں تضاد ہے (صلح، جنگ)
پانچویں شعر میں مراعات النظیر ہے (دل نرم، کشتہ، ثواب، نماز)

بگردانِ عادت ــــ اپنی عادت کو بدل دے۔

(۳۶)

دوش رفتم بدر میکده خواب آلوده — خرقه تر دامن و سجاده شراب آلوده

آمد افسوس کنان مغبچۀ باده فروش — گفت بیدار شو ای رهرو خواب آلوده

شست و شوئی کن و آنگه بخرابات خرام — تا نگردد ز تو این دیر خراب آلوده

بهوای لب شیرین پسران چند کنی — جوهر روح بیاقوت مذاب آلوده

بطهارت گذران منزل پیری و مکن — خلعت شیب چو تشریف شباب آلوده

پاک و صافی شو و از چاه طبیعت بدر آی — که صفائی ندهد آب تراب آلوده

گفتم ای جان جهان دفتر گل عیبی نیست — که شود فصل بهار از می ناب آلوده

آشنایان ره عشق درین بحر عمیق — غرقه گشتند و نگشتند بآب آلوده

گفت حافظ لغز و نکته بیاران مفروش
آه ازین لطف بانواع عتاب آلوده

(۳۶) بحرِ رمل مثمن مخبون مقصور/محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلات/ فعلن

خرقہ تر دامن — لباس زہد شراب میں بھیگا ہوا۔
افسوس کناں — تمسخر کرتا ہوا۔ طنز کرتا ہوا۔
شست وشوئی کن — پاک اور صاف ہو۔
یاقوت بذاب — پگھلا ہوا یاقوت۔ کنایہ ہے خون کے آنسو یا شراب سے۔
خلعتِ شیب — بڑھاپے کی پوشاک۔
تشریفِ شباب — جوانی کا لباس
چاہِ طبیعت — طبیعت یعنی نفس کو کوئیں سے تشبیہ دی ہے۔
آب تراب آلودہ — گدلا پانی۔
دفتر گل — پھول کی کتاب۔ اِس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بہار میں پھول کی کتاب شراب سے آلودہ ہوجائے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔
بحرِ عمیق — گہرا سمندر۔ کنایہ ہے عشق سے۔
لُغز — چیستان۔ پہیلی۔
نکتہ مفروش — اپنی نکتہ دانی کا اظہار نہ کر۔
لطف بانواعِ عتاب آلودہ — ایسا التفات جس میں طرح طرح کے عتاب شامل ہوں۔

اِس غزل کے دوسرے شعر میں صنعتِ تضاد ہے (بیدار، خواب)
پانچویں شعر میں صنعت تضاد ہے (شیب، شباب)

۳۷

سحرگاهان که مخمور شبانه — گرفتم باده با چنگ و چغانه

نهادم عقل را ره توشه از می — ز شهر هستیش کردم روانه

نگار می فروشم عشوهٔ داد — که ایمن گشتم از مکر زمانه

ز ساقی کمان ابرو شنیدم — که ای تیر ملامت را نشانه

نبندی زان میان طرفی کمروار — اگر خود را ببینی در میانه

برو این دام بر مرغی دگر نه — که عنقا را بلندست آشیانه

که بندد طرف وصل از حسن شاهی — که با خود عشق بازد جاودانه

ندیم و مطرب و ساقی همه اوست — خیال آب و گل در ره بهانه

بده کشتی می تا خوش برانیم — ازین دریای ناپیدا کرانه

وجود ما معماییست حافظ
که تحقیقش فسونست و فسانه

(۳۷) بحرِ ہزج مسدس مقصور/ محذوف

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل / فعولن

چنگ و چغانہ — باجوں کے نام۔

رہ توشہ — اس ترکیب میں اضافت مقلوب ہے۔ مراد زادِ راہ۔

نہادم عقل را رہ توشہ از مے — میں نے زادِ راہ کے طور پر عقل کو شراب دے دی۔

عشوۂ داد — ایسی دلفریب ادا دکھائی، مراد یہ ہے کہ محبوب کی ادا نے مجھے بیخود کر دیا ہے اب میں زمانے کے فریب میں نہیں آسکتا۔

کمروار — کمر کی طرح۔

نبندی زاں میاں طرفی کمروار — طرف بستن کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ محبوب کی کمر تک تیری رسائی نہیں ہو سکتی۔

عنقا — ایک فرضی پرندہ جسے کسی نے نہیں دیکھا۔

کہ بندد طرف وصل — کون وصل کا فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

خیال آب و گل در رہ بہانہ — راہ ہستی میں یہ خیال کہ انسان آب و گل سے بنا ہے محض بہانہ ہے۔ اس شعر میں ہمہ اوست کا مسئلہ ندیم و مطرب و ساقی کے استعاروں میں بیان کیا گیا ہے۔

فسون — جادو۔ } غیر حقیقی۔
فسانہ — کہانی۔ }

اِس غزل کے چوتھے شعر میں مراعات النظیر ہے (کمان ابرو، تیرِ ملامت، نشانہ)

چھٹے شعر میں مراعات النظیر ہے (دام، مرغ، عنقا، آشیانہ)

نویں شعر میں مراعات النظیر ہے (کشتی، دریا، کرانہ)

دسویں شعر میں شبہ اشتقاق ہے (فسون، فسانہ)

٣٨

این خرقه که من دارم در رهن شراب اولی
وین دفتر بی معنی غرق می ناب اولی

چون عمر تبه کردم چندانکه نگه کردم
در کنج خراباتی افتاده خراب اولی

چون مصلحت اندیشی دور است ز درویشی
هم سینه پر از آتش هم دیده پرآب اولی

من حالت زاهد را با خلق نخواهم گفت
این قصه اگر گویم با چنگ و رباب اولی

تا بی سر و پا باشد اوضاع فلک زین دست
در سر هوس ساقی در دست شراب اولی

از همچو تو دلداری دل برنکنم آری
چون تاب کشم باری زان زلف بتاب اولی

چون پیر شدی حافظ از میکده بیرون آی
رندی و هوسناکی در عهد شباب اولی

(۳۸) بحر ہزج مثمن اخرب

مفعول مفاعیلن، مفعول مفاعیلن

خرقہ —— گدڑی، درویشوں کا لباس.
کنج خرابات —— میخانے کا گوشہ.
خراب —— مست.
اوضاع فلک —آسمان کے طریقے کنایہ ہے انقلاب زمانہ سے۔
دِل برنکنم —— میں اپنا دِل نہیں ہٹاؤں گا۔ یعنی فدا ہوتا رہوں گا۔
آری —— ہاں.
چون تاب کشم باری زان زلف بتاب اولے —— پیچ وتاب کھانا ہی ہے تو اس زلف پر پیچ کے ہاتھوں بہتر ہے۔

اِس غزل کے تیسرے شعر میں صنعت تضاد ہے (آتش، آب)
چھٹے شعر میں ایہام ہے (تاب)

۳۹

دو یار زیرک و از بادهٔ کهن دو منی — فراغتی و کتابی و گوشهٔ چمنی

من این مقام بدنیا و آخرت ندهم — اگرچه در پیم افتند هر دم انجمنی

هر آنکه کنج قناعت بگنج دنیا داد — فروخت یوسف مصری بکمترین ثمنی

بیا که رونق این کارخانه کم نشود — بزهد همچو توئی یا بفسق همچو منی

ز تند باد حوادث نمی توان دیدن — درین چمن که گلی بوده است یا سمنی

ببین در آینهٔ جام نقش بندی غیب — که کس بیاد ندارد چنین عجب زمنی

ازین سموم که برطرف بوستان بگذشت — عجب که بوی گلی هست و رنگ نسترنی

بصبر کوش تو ای دل که حق رها نکند — چنین عزیز نگینی بدست اهرمنی

مزاج دهر تبه شد درین بلا حافظ

کجاست فکر حکیمی و رای برهمنی

(۳۹) بحرِ مجتث مثمن مخبون مقصور

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

دو من ——— دو من ۔ جدید ایران میں تین کیلو کا ایک من ہوتا ہے۔
فراغت ——— فرصت۔
درپیم افتند ——— میرے پیچھے پڑ جائیں۔
گنج قناعت ——— قناعت کا گوشہ۔
گنج دنیا ——— دنیا کا خزانہ ۔ دنیاوی عیش و آرام۔
ثمن ——— قیمت، قدر۔
رونق این کارخانہ ——— دنیا کی چہل پہل۔
فسق ——— خدا کی نافرمانی۔ گناہ۔
نقش بندی غیب ——— پیمانۂ شراب میں غیب سے کیا کیا نقش نظر آتے ہیں۔
سموم ——— گرم ہوا۔
مزاج دہر تبہ شد ——— دنیا کا مزاج بگڑ گیا۔
فکر حکیمی و رای برہمنے ——— کسی عارف کی تدبیر یا کسی برہمن کی دانائی سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

اس غزل کے پہلے شعر میں صنعت جمع ہے (فراغتی و کتابی و گوشۂ چمنی)
دوسرے شعر میں صنعت تضاد ہے (دنیا، آخرت)
تیسرے شعر میں لف و نشر مرتب ہے۔
چوتھے شعر میں صنعت تضاد ہے (زاہد، فسق)
ساتویں شعر میں مراعات النظیر ہے (سموم، بوستان، بوی گل و رنگ نسترنے)

۴۰

ای پادشه خوبان داد از غم تنهائی — دل بی تو بجان آمد وقتست که باز آئی

دایم گل این بستان شاداب نمی ماند — دریاب ضعیفانرا در وقت توانائی

دیشب گله زلفش با باد همی کردم — گفتا غلطی بگذر زین فکرت سودائی

صد باد صبا اینجا با سلسله می رقصند — اینست حریف ای دل تا باد نپیمائی

مشتاقی و مهجوری دور از تو چنانم کرد — کز دست بخواهد شد پایاب شکیبائی

یارب بکه شاید گفت این نکته که در عالم — رخساره بکس ننمود آن شاهد هرجائی

ساقی چمن گل را بی روی تو رنگی نیست — شمشاد خرامان کن تا باغ بیارائی

ای درد توام درمان در بستر ناکامی — وی یاد توام مونس در گوشهٔ تنهائی

در دایرهٔ قسمت ما نقطهٔ تسلیمیم — لطف آنچه تو اندیشی حکم آنچه تو فرمائی

فکر خود و رای خود در عالم رندی نیست — کفرست درین مذهب خودبینی و خودرائی

زین دایرهٔ مینا خونین جگرم می ده — تا حل کنم این مشکل در ساغر مینائی

حافظ شب هجران شد بوی خوش وصل آمد
شادیت مبارک باد ای عاشق شیدائی

(۴۰)

بحرِ ہزج مثمن اخرب

مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

بجان آمد ——— زندگی سے تنگ آگیا۔
این بستان ——— کنایہ ہے دنیا سے۔
ضعیفان ——— کمزور۔
وقتِ توانائی ——— طاقت کے زمانے میں۔
غلطی ——— تو غلطی پر ہے۔
فکرتِ سوائی ——— دیوانہ پن، پاگلوں کا سا خیال۔
بادپیمائی ——— بیہودہ یا بے فائدہ کام نہ کر۔
مہجوری ——— ہجر، جدائی۔
پایاب شکیبائی ——— صبر کی طاقت۔
شاہد ہرجائی ——— وہ محبوب جس کے چاہنے والے بہت ہوں۔ مراد بے وفا۔
بسترِ ناکامی ——— محرومی کو بستر سے تشبیہ دی ہے۔
دردِ توام درمان ——— تیرا درد ہی میرا علاج ہے۔
یادِ توام مونس ——— تیری یاد ہی میری غم گسار ہے۔
دائرہ مینا ——— کنایہ ہے آسمان سے۔
ساغرِ مینائی ——— شراب کا پیالہ۔
شبِ ہجران شد ——— ہجر کی رات گزر گئی۔

اِس غزل کے ساتویں شعر میں مراعاۃ النظیر ہے۔ (چمن، گل، رنگ، شمشاد، باغ)
آٹھویں شعر میں صنعتِ تضاد ہے (درد، درمان)
دسویں شعر میں صنعتِ تضاد ہے۔ (کفر، مذہب)
گیارہویں شعر میں صنعتِ اشتقاق ہے (مینا، مینائی)
بارہویں شعر میں صنعتِ تضاد ہے (ہجران، وصل)

